5806
27

# دفینہ

## احسان ملک

# دفینہ

احسان ملک

خزینۂ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار - لاہور ۷۳۱۴۱۶۹

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

دیدہ زیب اور
خوبصورت کتب کا
واحد مرکز

تزئین و اہتمام
نذیر محمد طاہر نذیر

## ضابطہ

سرورق: عبید اللہ

اہتمام: محمد نذیر طاہر نذیر

کمپوزنگ: محمد فاروق عکاظ کمیونیکیشن

مطبع: اے این اے پرنٹرز

قیمت: 125/=

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

# انتساب

اپنی اکلوتی بیٹی

ڈاکٹر فوزیہ خانم (ایم بی بی ایس)

کے نام

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

# فہرست


احسان ملک کے افسانے — احمد ندیم قاسمی 9

مسافر 13

کھوجی 23

شرابی 26

تلاش 30

کیکر کی چھاؤں میں 34

توبہ کی رات 38

لڑائی 50

بردہ فروش 56

رت کی پکار 60

برسات 69


Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

| | |
|---|---|
| شاہیا | 84 |
| ٹورسٹ | 92 |
| سنہری زندگی | 105 |
| کافر | 114 |
| رسہ گیر | 124 |
| تونگر | 130 |
| دفعہ تین سو دو | 135 |
| چہار درویش | 146 |
| رین بوٹر اوٹ | 152 |
| جانوروں کی کانفرنس | 162 |
| اشتہار بازی | 172 |
| تین چھٹانک ادب | 181 |


❀❀❀

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

# احسان ملک کے افسانے

قناعت اور اطمینان مسلمہ اخلاقی اقدار ہیں، لیکن اگر کوئی فن کار، تخلیق فن کے حوالے سے قناعت اور اطمینان سے آلودہ ہو جائے تو وہ جمود اور شکستہ پائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں جب کسی فن کار کو اپنے ماحول، اپنے معاشرے، اپنے ہاں کی مروجہ قدروں سے غیر مطمئن دیکھتا ہوں تو مجھے کم سے کم اس امر کا یقین ضرور ہو جاتا ہے کہ اس فن کار نے زندگی کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اسے سمجھا ہے، اسے برتا ہے اور اسے اپنے معیاروں سے کم تر پایا ہے۔ کوئی بھی باشعور فنکار اپنے دور کی زندگی سے مطمئن نہیں پایا گیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ زندگی جامد نہیں ہے۔ ارتقاء اس کی فطرت میں ہے اور ارتقاء کا عنوان تغیر ہے۔ پھر جب زندگی اتنے لامحدود امکانات سے بھری ہوئی ہے تو اس کے مروجہ انداز پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا ان امکانات کی تنسیخ کے مترادف ہے۔ چنانچہ فن میں اس نوعیت کا اطمینان اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ فن کار زندگی اور انسانی ذہن کے ارتقاء سے منکر ہے۔ یہیں سے ادب میں منفیت، بے معنویت اور تھڑ دلی کا

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

آغاز ہوتا ہے۔ جس نے کتنے ہی جوہر قابل کو نچوڑ کر پھینک دیا ہے اور کتنی ہی ذہانتوں کو منجمد کر ڈالا ہے۔

احسان ملک کے افسانوں کا نمایاں ترین تاثر مروجہ معاشی اور معاشرتی ڈھانچے سے اس کی شدید بے اطمینانی ہے۔ یہ بے اطمینانی، فن میں بے معنویت کا روپ بھی دھار سکتی ہے اور نراج کا بھی مگر احسان ملک نہ بے معنویت کا قائل ہے اور نہ نراج کا، اسے زندگی کے ارتقائی سفر کی اس کڑی کی تلاش ہے جو اس کے معاشرے میں جیسے کھو کر رہ گئی ہے۔ اس کا یہی طرزِ عمل اس بے اطمینانی کا اثبات ہے جو ایک باشعور فنکار کا سب سے موثر ہتھیار ہے۔ اس کا یہ عدم اطمینان اسے ایک ایسے تغیر کی ضرورت کا احساس دلاتا ہے جو ہر خرابی کی اصلاح کر دے اور ہر محرومی کو آسودگی میں بدل دے۔ اس طرزِ فکر کا سبب یہ ہے کہ احسان ملک کو انسان پر بہت پختہ اعتماد ہے۔ فنکار کی خود اعتمادی، انسان پہ اس کے اعتماد کا ایک حصہ ہوتی ہے اور یہی اعتماد اسے تغیر کی افادیت اور تبدیلی کی اہمیت کا یقین دلاتا ہے۔ اسے یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے، وہ تقدیر کا لکھا نہیں اس لیے اسے بدلا جا سکتا ہے۔

احسان ملک کے افسانوں میں شگفتگی کی جو ایک لہر سی مسلسل دوڑتی چلی جاتی ہے، وہ بھی اسی خود اعتمادی کا نتیجہ ہے ورنہ منہ بسور کر ساری زندگی گزار دینے والوں کو تو مسکرانا آتا ہی نہیں۔ وہ اس شگفتہ گوئی سے بحیثیت افسانہ نویس کما حقہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے نراج کا یہ رجحان اسے افسانے میں سراسر جذباتی ہو جانے سے روکے رکھتا ہے۔ پھر وہ اس شگفتگی کو اپنی طرف سے مسلط نہیں کرتا بلکہ افسانے کے منطقی تسلسل میں سے یا کرداروں کی صورت پذیری اور باہمی تصادم میں سے یہ شگفتگی از خود پھوٹتی ہے۔

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

احسان ملک کے مختصر افسانوں کی ایک اور منفرد خصوصیت یہ ہے کہ وہ واقعی مختصر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو اتنے مختصر ہو جاتے ہیں کہ جس انداز سے احسان ملک ایک پورے کردار یا ایک پورے واقعے کو مختصر سے مختصر الفاظ میں فن کی گرفت میں لاتا ہے، اس پر حیرت ہوتی ہے۔ یہ مختصر گوئی بہت مشکل کام ہے۔ یہ غزل کے ایک شعر یا ایک قطعے یا ایک رباعی کا سا فن ہے کہ مفہوم میں ایک دنیا کی دنیا سموئی ہوئی ہے مگر الفاظ کی تعداد اتنی کم ہے کہ چند سیکنڈ میں بولے جا سکتے ہیں۔ احسان ملک کے بیشتر افسانے اردو کے عام افسانوں کے مقابلے میں مبالغے کی حد تک مختصر ہیں۔ اس کے باوجود تشنگی کا احساس بہت کم ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مختصر افسانے کے بعض حصوں کی تفصیل بھی اپنا ایک حسن رکھتی ہے مگر جب کوئی افسانہ نگار اس تفصیل کی کمی محسوس ہی نہ ہونے دے تو اسے اس کا کمالِ فن سمجھنا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ احسان ملک کے ہاں اختصار اب تک ایک حسن ہے، مرض نہیں ہے۔ پھر اس کے جو افسانے اس انتہا تک مختصر نہیں ہیں، ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں وہ اس سے بدکتا نہیں ہے۔

احمد ندیم قاسمی

❀ ❀ ❀

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

# مسافر

بنوں ایک کھیت مزدور تھا، اس میں کوئی خاص بات تو نہ تھی، لیکن بات بات پر ہنسنا اور ہر وقت خوش رہنا اس کی عادت تھی۔

وہ فرصت کے وقت بانسری بجا کر دل بہلایا کرتا۔ ایک روز وہ پیڑ سے ٹیک لگائے بانسری بجا رہا تھا کہ ڈاکیے نے اس کو اس کے ماموں کا خط دیا۔

یہ خط لے کر وہ بھاگا ہوا گاؤں کے اسکول ماسٹر سے پڑھوانے گیا۔ خط کا مضمون سن کر اس نے لاٹھی اٹھائی، اس پر گٹھڑی باندھی اور شہر کی طرف چل پڑا۔

چلتے چلتے دوپہر ہوگئی تو بنوں کو سخت بھوک لگی۔ ''راستہ تھوڑا رہ گیا ہے۔'' اس نے اپنے پیٹ کو تسلی دی اور تھوڑی دیر ایک کھیت کی منڈیر پر سستانے بیٹھ گیا۔ ایسے میں اس کی نظر سامنے کی طرف گئی تو اس کو امرودوں کا باغ نظر آیا۔ ''بھئی واہ'' بنوں نے دل ہی دل میں کہا۔ ''درختوں میں لگے ہوئے پھل کتنے خوب صورت لگتے ہیں! اور جب زیادہ بھوک لگی ہو تو زیادہ ہی خوب صورت لگتے ہیں۔''

اب بنوں کی بھوک نے اس سے کہا: ''چل یار، دو چار امرود کھا لیتے ہیں۔''

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

اس نے چاروں طرف دیکھا، آس پاس دور تک آدم زاد کا نشان نہ تھا! اس نے سڑک پار کی اور باغ کی کچی دیوار پھلانگ کر بلی کی طرح نیچے کود گیا! پھر چپکے سے ایک ہی جگہ بیٹھا رہا، ادھر ادھر دیکھا، باغ کا رکھوالا غائب تھا ''یا مولا شکر ہے تیرا۔'' پنوں نے دل ہی دل میں کہا اور امرود توڑ کر کھانے لگا! اس نے دو امرود ہی کھائے تھے کہ یکا یک اس کی پیٹھ پر ایک سونٹا پڑا اور وہ ڈر کے مارے زمین سے دو فٹ اوپر اچھل گیا۔ ''بے ایمان، چور، بدمعاش'' اس کو ایک سریلی سی آواز آئی اور پھر اس نے دیکھا کہ ایک مٹیار سونٹا ہاتھ میں لئے اس کو گھور رہی ہے! پنوں کی آنکھوں کے آگے چکا چوند سی ہو گئی۔ اس نے کہا: ''تم کون ہو؟''

وہ مٹیار بولی: ''تم کون ہو؟ یہ تمھارے باپ کا باغ ہے کہ کھپٹ بکرے کی طرح امرود کھا رہے ہو؟''

''بکرے کی طرح نہیں۔'' پنوں نے اپنی عادت کے مطابق جواب دیا۔ ''طوطے کی طرح! کیونکہ بکرا باغ میں کبھی نہیں آتا اور طوطے آ جاتے ہیں، تم مجھے طوطا سمجھ لو تو اس میں ہرج ہی کیا ہے؟''

''او طوطے!'' مٹیار بولی۔ ''نکالو پیسے۔''

''پیسے ہوتے تو طوطا بننے کی ضرورت ہی کیا تھی؟'' پنوں نے کہا۔ ''میں نے اگر دو امرود کھا لئے ہیں تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے، مسافر ہوں طوطے کی طرح اڑ جاؤں گا۔''

''بیٹھ جاؤ یہاں۔'' اس مٹیار نے کہا۔ ''پیسے دینے پڑیں گے'' اور یہ کہہ کر اس نے پنوں کے کپڑوں والی گٹھڑی اٹھا لی!

''میرا راستہ کھوٹا مت کرو، خدا کی قسم میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔'' پنوں نے امرود کھاتے ہوئے کہا۔ ''اتنا چھوٹا دل اچھا نہیں ہوتا، مجھے جانے دو!'' اس مٹیار نے

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

گٹھڑی کھولی تو اس میں سے بانسری اور پنوں کے کپڑے نکلے! اس نے کہا۔ ''جاؤ'' پیسے لے آنا اور اپنی چیزیں لے جانا، چور کہیں کے، ہر بھوکا آدمی امرود توڑنے لگے تو یہ باغ تو اجڑ جائے گا۔''

یہ سن کر پنوں نے کہا۔ ''ٹھیک ہے، پیسے میں دے جاؤں گا، اور اگر پیسے دینے ہی ہیں تو پیٹ بھر کے کھاؤں گا۔'' یہ کہہ کر پنوں نے کچھ اور امرود توڑے، مُیار نے کہا۔ ''میرا ابا آ گیا تو خود ہی خبر لے لے گا! کھالو، ڈپھ لو، سارا باغ تو نہیں کھا جاؤ گے نا؟ لیکن پیسے تم کو ضرور دینے پڑیں گے یہ ہمارا باغ ہے، خیراتی ہسپتال نہیں!''

پنوں کا پیٹ بھر چکا تو اس نے کہا۔ ''میں جاؤں؟'' ابھی اس نے یہ سوال کیا ہی تھا کہ سڑک پر ایک موٹر کار ٹھہری اور باغ کے دروازے کی طرف سے ایک کوٹ پتلون والا مرد اپنی بیوی اور بچوں کو اندر لے آیا اور پنوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ہم تازہ امرود توڑنا چاہتے ہیں۔ کتنے پیسے لو گے؟''

پنوں نے فوراً جواب دیا۔ ''ارے بابو جی پیسوں کی کیا بات ہے؟ جتنے جی چاہے توڑ لو اور جو مرضی میں آئے دے دینا۔''

''آپ کے پاس ٹوکرا ہوگا؟'' اس شخص نے پوچھا۔

''کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟'' پنوں نے جواب دیا۔ ''جا بھاگ بھری خالی ٹوکرا لے آ'' یہ سن کر وہ مُیار عجب الجھن میں پڑ گئی، پھر خدا جانے کیا سوچ کر ٹوکرا نکال لائی۔ وہ آدمی اپنے بچوں کے ساتھ ان کے امرود توڑنے کا شوق پورا کرنے لگا اور بچوں کی ماں اچھے اچھے امرود کے دانے چن چن کر ٹوکرے میں بھرنے لگی۔

ٹوکرا بھر گیا تو پنوں نے اسے پتوں سے ڈھانپ دیا اور پھر اس ٹوکرے کو گاڑی کے پچھلے خانے میں رکھ آیا۔

وہ مُیار یہ سارا تماشا خاموش ہو کر دیکھتی رہی اور پنوں جب واپس ہوا تو اس

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

کے ہاتھ میں سوروپے کا نوٹ تھا!

"یہ لو اپنے امرودوں کے پیسے۔" پنوں نے اس مُٹیار سے کہا۔

"اس میں اٹھانویں روپے بابو جی کے ہیں اور دو روپے میرے!

تمھارا حساب برابر ہوا۔ لاؤ میری گٹھڑی تے چھڈ جان میری۔"

یہ معاملہ دیکھ کر مُٹیار کا دل پسیج گیا۔ اس نے کہا: "لیکن ایک ٹوکرے کا مول تو بارہ روپے ہے؟"

"اری بھلی مانس!" پنوں نے کہا۔ "ایک بھوکے مسافر نے تیری حق حلال کی روزی سے امرود کھائے تھے، تو نے مجھ غریب کو جو سونٹا مارا تو مولا کی ذات نے کہا یہ لے پیسے! یہ تو نیلی چھتری والے نے تیرے لیے بھیجے ہیں، یہ لے، دیر نہ کر، اور مجھے جانے دے!"

یہ سن کر اس مُٹیار نے پنوں سے پیسے لے لیے اور اس کو اس کی گٹھڑی واپس کر دی۔

"پیسے تو تجھ کو مل گئے۔" پنوں نے کہا۔ "اب تیرے سونٹے کی مار کس کھاتے میں جائے گی؟"

مُٹیار کچھ نہ بولی، بس آنکھیں جھکا لیں!

"تیرا ابا کہاں ہے؟" پنوں نے پوچھا۔

"شہر گیا ہے امرود بیچنے!"

"اس کو میرا اسلام کہہ دینا!" یہ کہہ کر پنوں باغ سے نکل آیا۔

شام کو جب بابا قربان علی واپس آیا تو سکینہ نے اس کو ایک سو روپے دیتے ہوئے ساری بات بتا دی!

"بیٹا تم نے اسے جانے کیوں دیا؟ ایسے آدمی کی تو ہم کو ضرورت تھی، ہم کو

Marfat.com
Marfat.com

بالکل ایسے ہی کھرے آدمی کی ضرورت تھی۔''

''بابا!'' سکینہ نے کہا۔'' وہ آدمی پھر آئے گا تو اسے رکھ لینا!''

''پھر آئے گا؟'' بابے قربان نے حیران ہو کر کہا۔'' یہ تو کیسے کہہ رہی ہے؟''

''بابا وہ اپنی بانسری یہیں بھول گیا ہے۔'' سکینہ نے کہا۔''بانسری تو لینے آئے گا نا؟''

وہ بھلا اپنے بابا کو کس طرح بتاتی کہ وہ بانسری اس نے جان بوجھ کر اپنے پاس رکھ لی تھی!

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# کھوجی

مولو کھوجی کو کھوج لگانے کی ایسی لت پڑی تھی کہ کام نہ بھی ہوتا تو شوقیہ طور پر کسی جانور کا کھرا دیکھ کر اس کا کھوج لگاتا اور دن بھر کی آوارگی کے بعد تھک ہار کے سو جاتا۔

ایک روز مولو اپنی اسی مشق میں مصروف تھا اور گاؤں سے بہت دور نکل گیا تھا کہ اس کو جنگل کی طرف سے آنے والے پیروں کا کھوج ملا جو تازہ اور نیا تھا۔ مولو ٹھٹکا اور اپنے ہی آپ سے مخاطب ہو کر دل ہی دل میں کہنے لگا۔ ''یار مولو اس آدمی کو جنگل کی طرف سے آنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور اس کا ایک کھرا دوسرے سے بڑا کیوں ہے؟''

دوسرے روز گاؤں والوں نے بڑی عقیدت سے بتایا کہ ایک پیر صاحب تشریف لائے ہیں اور صاحب کرامات ہیں!

مولو نے جواب دیا: ''مجھے معلوم ہے۔'' اور اس کے ساتھ ہی انھیں بتایا کہ وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

یہ جاننے کے لیے کہ پیر صاحب کا ایک کھرا دوسرے سے بڑا کیوں ہے مولو ایک عقیدت مند بن کر پیر صاحب کے دیدار کے لیے حاضر ہوا۔ پیر صاحب کے پاؤں دباتے ہوئے مولو کی نظر جب ان کے پیروں پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ پیر صاحب کے دائیں پیر میں پانچ کی جگہ چھ انگلیاں ہیں۔ اس لیے ان کا ایک کھرا آگے سے ذرا بڑا ہے۔

''یہ مسئلہ تو حل ہوا مولو۔'' مولو نے حسب عادت اپنے آپ سے دل میں خطاب کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ آدمی گاؤں میں جنگل سے کیوں داخل ہوا؟''

ابھی وہ اپنے اس سوال کا جواب حاصل نہیں کر سکا تھا کہ اس پر بجلی گری۔ جب اس نے اپنے گھر کی طرف آتے ہوئے ایک عورت کے اور گھر سے باہر جاتے ہوئے دو عورتوں کے کھرے دیکھے۔ یہ نشان اسے سیدھے پیر جی کے ٹھکانے پر لے گئے اور پھر وہاں سے اپنے گھر تک واپس لے آئے اور پھر ایک کھرا تائی نیتاں کے گھر تک گیا! اس کا خون کھول اٹھا اور وہ گھر کو آیا اور ریشماں پر بے طرح برس پڑا۔ ریشماں گھبرا گئی۔ اس نے اونچی آواز میں شکایت کی۔ ''مولو تجھے آج ہوا کیا ہے؟''

اب مولو کو یاد آیا کہ اس نے ناراضگی کی کوئی وجہ تو بتائی ہی نہیں۔ اس کو دوبارہ غصہ آ گیا اور اس نے کہا: ''او بے وقوف تو تائی نیتاں کے ساتھ پیر کے پاس کیوں گئی تھی؟'' یہ سن کر ریشماں کی آنکھیں حیا سے جھک گئیں۔ اس نے دیوار سے سر ٹکا کر دیوار کو انگلی سے کھرچتے ہوئے ہولے سے کہا: ''اولاد کے لیے!''

''اولاد کے لیے؟''

مولو گرجا۔ ''میں کوئی      میں کوئی      اور اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ ریشماں سمجھ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے ہنسی آ گئی۔ ریشماں کو ہنستے دیکھ کر مولو چارپائی پر گر پڑا اور آسمان کی طرف دیکھ کر فریاد کی۔ ''یا مولا تو نے عورت کی عقل

Marfat.com
Marfat.com

گت کے پیچھے کیوں رکھی ہے؟'' اس کے بعد مولو نے اپنی پگڑی چارپائی سے اٹھائی اور پیر صاحب کی طرف چل دیا۔

مولو کو اپنی گھر والی کا بہت دھیان رہتا تھا۔ اس لیے کہ رب نے اس کو بہت خوبصورت بنایا تھا۔ بالکل ایک جوان مشکی گھوڑی کی طرح! اس کے گورے گورے ہاتھ پیر سوہنے تھے۔ اس کا مکھڑا گلاب جیسا اور آنکھیں غزالوں کی، آواز کوئل سی، کمر چیتے جیسی اور چال مور ایسی تھی! حقیقت یہ ہے کہ مولو کی تشویش بلاوجہ نہ تھی!

اس روز وہ پیر صاحب کے پاؤں دبا رہا تھا کہ پیر صاحب نے نعرہ مارا۔

''ابے دولت مند ہونا چاہتا ہے؟''

مولو نے عارفانہ انداز میں کہا: ''حضور وہ کون سا چوہا ہے جو بلی نہیں بننا چاہتا؟''

جواب سن کر پیر صاحب نے تکیے کے نیچے سے ایک تعویذ نکالا اور کہا: ''منگل کی رات کو سونے سے پہلے یہ تعویذ پانی میں گھول کر پی جانا، اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا، ورنہ اس کا اثر جاتا رہے گا۔'' مولو نے وہ تعویذ لے کر چوما، آنکھوں سے لگایا، اور جیب میں ڈال لیا۔

گھر آ کر مولو نے ریشماں سے دودھ کا کٹورا لانے کو کہا اور پھر اس کٹورے میں اس تعویذ کو گھول کر اسے گھر کی بلی کے سامنے رکھ دیا۔ بلی دودھ پی گئی اور پھر اس نے میاؤں کی ہلکی سی آواز نکالی اور لڑھک گئی۔ یہ معاملہ دیکھ کر ریشماں ہکا بکا ہو کے رہ گئی۔ مولو نے کہا۔ ''یہ پیر جی نے مجھ کو دیا تھا گھول کر پینے کے لیے! بے وقوف بیوہ ہوتے ہوتے بچی ہو!'' یہ ماجرا دیکھ کر ریشماں کو جیسے سکتہ ہو گیا۔

مولو اب گھر سے نکلا اور کھیتوں کے درمیان سے گزرتا بڑی سڑک تک جانے والی پگڈنڈی پر ہولیا۔ ایسے میں یکا یک اسے دور سے حوالدار نیک محمد آتا دکھائی دیا جو

Marfat.com
Marfat.com

کسی گاؤں میں مویشی چوری ہونے پر یا کسی مجرم کی تلاش کے لیے مولو کھوجی کی خدمات حاصل کرنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ لیکن آج مولو کو حوالدار کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اس کو دیکھ کر مولو کو یوں لگا جیسے برسوں کا بچھڑا یار ملا ہو۔

وہ دونوں چوپال میں آ بیٹھے اور وہاں نیک محمد نے یہ راز افشا کیا کہ وہ پیر اصل میں ایک خطرناک آدمی ہے اور وہ اس کی تلاش میں آیا ہے۔

یہ سن کر مولو کے جسم میں جھرجھری آ گئی اور اس کی صورت اس نیولے کی سی بن گئی جو سانپ پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے بال کھڑے کر لیتا ہے۔

آپس میں مشورہ کر کے جب وہ پیر صاحب کے اڈے پر پہنچے تو وہاں تالا لگا ہوا تھا! پیر صاحب نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

چار دن کی دوڑ دھوپ کے بعد آخر کار مولو نے پیر صاحب کا کھرا جا پکڑا اور شام کے وقت گھر کو واپس لوٹا۔ گھر کا دروازہ تائی نیتاں نے کھولا۔ اندر کمرے میں ریشماں لیٹی تھی۔ اسے متلی ہو رہی تھی اور اس کے سرہانے اچار کی کٹوری رکھی تھی۔

''کیا بات ہے تائی؟'' مولو نے پگ اتار کے پسینہ پونچھتے ہوئے پوچھا۔ تو تائی نے بتایا کہ ریشماں اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے!

''اچھا؟'' مولو اپنی ساری تھکان بھول گیا۔ ''اور تم کہو گی کہ یہ سب کچھ پیر جی کی دعا سے ہوا ہے۔ جس کو حوالات میں دے کر آ رہا ہوں!'' یہ سن کر تائی نیتاں کا رنگ اڑ گیا، وہ پہلے ہی ریشماں سے شرمندہ تھی، اس لیے چپکے سے کھسک گئی۔

رات کو کھانا کھا کر مولو ریشماں کے ساتھ والی چارپائی پر سونے کے لیے لیٹا تو دیر تک چھت کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

''ریشماں!''

ریشماں جو کسی لمبی سوچ میں ڈوب چلی تھی، بولی: ''کیا ہے؟''

Marfat.com
Marfat.com

مولو کچھ نہ بولا۔ بس سوچتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''ریشماں!''
اس کے جواب میں ریشماں نے دوبارہ کہا۔ ''کیا بات ہے؟''
اب مولو کی آواز بدل گئی اور اس نے کہا۔ ''او بے وقوف تیرا مولا بخش اگر کھوجی نہ ہوتا تو خدا جانے تو اس وقت کہاں ہوتی؟''
اور پھر ریشماں نے مدھم سی روشنی میں مولو کی آنکھوں سے دو نور کے باریک دھارے اس کے گالوں پر بہتے دیکھے۔ ریشماں نے آہستہ سے مولو کا ہاتھ تھاما، اسے چوما اور پھر پیار سے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا!

❁ ❁ ❁

81065

Marfat.com
Marfat.com

# شرابی

حوالدار غلام محمد کو سارا شہر جانتا تھا۔ لیکن کسی ستم ظریف نے اس کا نام کوڈے شاہ رکھ دیا تھا۔ وہ دبلا پتلا لمبا آدمی تھا اور اس کی آنکھیں بھینگی تھیں جن کی سب سے بڑی صفت یہ تھی کہ وہ ملزموں پر بہت جلد عاشق ہو جاتی تھیں۔

اس چھوٹے شہر میں شام کا دھندلکا ہونے کو تھا کہ کوڈے شاہ حسب معمول راؤنڈ پر نکلا۔ جونہی وہ بسوں کے اڈے کے سامنے ''پردیسی ہوٹل'' کے قریب پہنچا تو اس کی احمقانہ سی لمبی ناک نے بہت پتے کی بات کہی کہ ''ذرا اندر جھانک کر دیکھ لو!'' اس نے اپنی بھینگی آنکھوں کو چکر دے کر گھمایا، اور ایک آدمی کو ہوٹل کے اندر دور کونے میں بیٹھے ہوئے دیکھا جس کے سامنے ایک بوتل رکھی تھی اور اس کے ساتھ شیشے کا گلاس دھرا تھا۔ کوڈے شاہ کو دیکھ کر گلاس کے اندر کی چیز نے کہا۔ ''آداب عرض! میں شراب ہوں۔''

اب کوڈے شاہ کے جسم میں شکاری درندوں کی سی جھرجھری پیدا ہوئی اور اس نے ایک ہی جست میں اپنے شکار کو گردن سے دبوچ لیا۔ ''اوئے کتے دیا پترا'' اس

Marfat.com
Marfat.com

نے بیت کی مضبوط چھڑی زناٹے سے اس آدمی کی پیٹھ پر جماتے ہوئے بوتل پر قبضہ کر کے گالیوں کی مشین گن سے ایک برسٹ مارا۔ ملزم نے لجاجت سے ہاتھ جوڑ دیے۔ تب کوڈے شاہ نے بوتل سے گھونٹ بھرا اور بولا۔ ''پہلی دھار کی ہے! کس بھٹے سے خریدی تھی۔ خنزیرا؟'' اور یہ کہہ کر اس نے ملزم کی پیٹھ پر پھر ایک بیت جڑ دیا اور بوتل سے دوسرا گھونٹ بھرا۔

''مائی باپ'' ملزم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ''اب گلتی نہیں ہوگی!'' یہ سن کر کوڈے شاہ نے بوتل کو پھر منہ سے لگاتے ہوئے ملزم کو زور سے لات رسید کی اور بولا: ''سالے غلطی کیسے نہیں ہوگی؟ ایں؟ غلطی ضرور ہوگی، دوسری بار ہوگی، تیسری بار ہوگی اور پھر چوتھی بار ہوگی۔'' اور یہ کہتے ہوئے اس نے ملزم کو زور سے لات رسید کی، ملزم زمین پر گر گیا اور س کی پگ کھل کر اس کے گلے کا ہار بن گئی اور پھر کوڈے شاہ نے ایک زور کی ٹھوکر جو لگائی تو وہ چاروں شانے چت جا پڑا۔

''ساری غلطیاں بھلا دوں گا سالے!...... ہاں۔'' یہ کہہ کر اس نے بوتل سے پھر دو چار گھونٹ بھرے اور ملزم کو ساتھ لئے لہراتا ہوا باہر نکلا، تو رات اپنی پہلی انگڑائی لے چکی تھی۔

شہر کے ایک اندھیرے اور تاریک راستے سے ہوتے ہوئے کوڈے شاہ نے تھانے میں آ کر شراب کی بوتل خالی کر کے اسے دیوار کے قریب پھینک دیا۔ ہونٹوں کو قمیص کے بازو سے پونچھا اور ملزم کو حوالات میں بند کر کے اس کی جیب سے تمام رقم نکال لی۔ پھر اس میں سے کچھ رقم ایک سپاہی کے حوالے کی اور کہا: ''ایک بھنا ہوا مرغ اور نان لے آؤ۔ میں اس حرامی کی رپورٹ لکھتا ہوں!''

رپورٹ لکھ کر اور اپنی ڈیوٹی ختم کر کے کوڈے شاہ جب گھر کو لوٹنے لگا تو حوالات کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے ملزم کو ایک واہیات گالی دے کر

Marfat.com
Marfat.com

سرزنش کی اور کہا: ''تم کو معلوم نہیں کہ آج کل شراب پینا جرم ہے؟ بچہ جی شراب پینا جرم ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے حرام بھی ہے۔''

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# دفینہ

نھتو کمہار نے ہزار کوشش کی کہ تپش زیادہ ہونے سے پہلے بیوی کی سبز اوڑھنی رنگوا کر گھر پہنچ جائے لیکن ابھی آدھا راستہ بھی نہ ہوا تھا کہ سورج عین سر کے اوپر آ گیا۔

ابھی وہ بستی بیراں والی کے قریب پہنچا تھا کہ اس کا مریل گدھا دھڑام سے گرا اور گرتے ہی دم توڑ دیا۔

نھتو چونکہ بے اولاد تھا اس لیے وہ اس گدھے سے بڑی محبت کرتا تھا ایک یہی اس کا سچا دوست اور دکھ سکھ کا ساتھی تھا۔

نھتو اس کے مردہ جسم کے ساتھ بیٹھ گیا اور رونے لگا۔

ایسے میں اس نے آسمان پر گدھ منڈلاتے ہوئے دیکھے، نھتو کو گوارا نہ ہوا کہ اس کے پیارے گدھے کی لاش پر گدھ منڈلائیں، اس نے آس پاس دیکھا، قریب ہی برگد کے تلے ایک گڑھا تھا، اس نے گدھے کے مردہ جسم کو گھسیٹ کر اس گڑھے میں دفن کر دیا۔ پھر نہ جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ اس نے بے حد جذباتی انداز میں اس کی قبر بنا ڈالی اور اس پر اپنی بیوی کا سبز دوپٹہ بچھا دیا۔

Marfat.com
Marfat.com

پھر اس نے آنسو پونچھ لیے اور بہت اداس ہو کر ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ کل کی روٹی کہاں سے آئے گی؟

ایسے میں ایک گھڑ سوار بستی پیراں والی کی طرف جاتے جاتے ذرا دیر کو رکا، اور ایک قبر پر سبز کپڑا دیکھ کر فاتحہ خوانی کرنے لگا اور پھر خاموشی سے آگے چلا گیا اور نھو اسے پاگلوں کی طرح دیکھتا رہ گیا۔

ابھی وہ آدمی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا کہ بستی کو جانے والی پگڈنڈی سے ایک عورت گزری وہ قبر دیکھ کر ٹھٹک گئی اور پوچھا "یہ کس کی قبر ہے؟"

نھو نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ یکا یک اسے خیال آیا کہ اگر اس نے سچی بات بتا دی تو ساری دنیا اس پر ہنسے گی وہ مشکل میں پڑ گیا۔

"جواب کیوں نہیں دیتے؟" اس عورت نے تنگ کر پوچھا۔ "تم گونگے تو نہیں؟"

اب نھو کو جواب آ گیا اور اس نے گونگے تو نہیں کے جواب میں سر ہلا دیا۔

تب اس عورت نے پلو سے بندھے ہوئے پیسوں میں سے پانچ کا ایک نوٹ نکالا اور نھو کی طرف پھینک دیا۔ "میری طرف سے نیاز ہے، دعا کرنا میری بیٹی تندرست ہو جائے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی اور نھو اس کو پاگلوں کی طرح دیکھتا رہا۔ وہ کچھ کہنے کو تھا کہ اسے یاد آیا کہ وہ خود کو گونگا ثابت کر چکا ہے۔

تھوڑی دیر بعد وہاں سے ایک گھڑ سوار کا گزر ہوا تو وہ رکا، گھوڑی سے نیچے اترا اور جیب سے دس کا نوٹ نکال کر نھو کے آگے رکھ دیا۔

نھو ابھی اپنے تن بدن سے حیرانی کی چادر اتار نہیں پایا تھا کہ شرمساری کا ہتھوڑا اس کے حواس پر پڑا۔ "یار نھو" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "تو نے بہت بڑا گناہ کیا ہے، کہیں گدھے کی قبر بھی بنتی ہے؟" یہ سوچ کر وہ قبر کو برابر کر دینے کی نیت

Marfat.com
Marfat.com

سے اٹھا ہی تھا کہ کسانوں کا ایک گروہ اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ سب نے حسب توفیق پیسے نکالے اور نتھو کے حوالے کر کے پوچھا،'' میاں مجاور جی، یہ کس بزرگ کی قبر ہے؟''

نتھو اب غش کھاتے کھاتے بچا اور اب کی بار وہ پھر بولنا چاہتا تھا، کہ اسے گونگے پن کا دورہ پڑ گیا۔ اب کے وہ ایسا گم صم ہوا کہ اس کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ اس نے ٹکر ٹکر دیکھتے ہوئے باری باری سب کسانوں پر نظر ڈالی وہ خود کو بے بس اور بولنے سے عاری پا رہا تھا۔

''گونگا ہے۔'' کسی نے ترس کھا کر کہا۔ ''مجاور جی ہمارے لیے دعا کرنا۔''

نتھو کے پاس سوائے سر ہلا دینے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

دیر تک نتھو اس موقع کی تلاش میں رہا کہ جلد از جلد اس قبر کا نام و نشان مٹا دے لیکن اس پر یہ خوف طاری رہا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو سوچے سمجھے بغیر اس کی تکا بوٹی کر ڈالے گا۔

شام کو جب وہ گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے پوچھا۔ ''گدھا کہاں چھوڑ آئے؟ اور میری اوڑھنی کہاں ہے؟'' جواب میں وہ تمام رقم نتھو نے بیوی کے ہاتھ میں تھما دی اور خود ہلکان ہو کر چارپائی پر گر پڑا۔

اس روز کی ساری رام کہانی سنانے کے بعد نتھو نے بیوی سے پوچھا۔ ''بتاؤ اب مجھ سے جو گناہ ہوا ہے اس کو خدا کیسے معاف کرے گا؟''

''خدا تو رحیم و کریم ہے نتھو۔'' اس کی بیوی نے عارفانہ انداز میں کہا۔ ''اور تجھے بسنت کی کوئی خبر ہی نہیں۔'' کچھ دیر وہ جان بوجھ کر خاموش رہی پھر بولی۔ ''مجھے یہ بتاؤ تم نے گدھا جان بوجھ کر مارا تھا؟''

''نہیں!''

Marfat.com
Marfat.com

''تم نے کیا دنیا کو دھوکا دینے کی نیت سے قبر بنائی تھی؟''

''نہیں۔'' نتھو نے اپنے مخصوص بھولپن سے سر ہلا کر کہا۔

''تم نے خود کسی سے خیرات تو نہیں مانگی؟''

''نہیں۔''

یہ سن کر اس کی بیوی نے تحکمانہ انداز میں کہا: ''تو پھر سن لے نتھو، اس پالن ہار نے ایک وسیلہ بند کر کے ہزار وسیلے کھول دیے ہیں۔ چل اٹھ روٹی کھا اور جا کر اس قبر پر چراغ جلا۔''

❀ ❀ ❀

Marfat.com
Marfat.com

# تلاش

شیر زمان اب بوڑھا ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ اس کی بندوق بھی جس سے اس نے اپنی بیوی کے آشنا کو قتل کیا تھا۔ برسوں سے وہ پولیس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

اب اس کی نظر کام نہیں کرتی تھی۔ ہاتھوں میں رعشہ آ گیا تھا۔ ایک ٹانگ سے لنگڑاتا، بدحال، پھٹے پرانے کپڑوں میں وہ کسی ایسی آبادی کی طرف جانا چاہتا تھا جہاں اسے کوئی پہچان نہ سکے۔

تمام عمر اس کے دل کی ایک خلش نہیں مٹ سکی تھی۔ کاش! کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی گل بانو کو دیکھ سکتا۔

بیس برس پہلے اس کی بیوی نور جان اپنے آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی تھی۔

اس کے آشنا کا قتل! جیل...... اور پھر جیل سے فرار، اور اس کے بعد اپنی بیٹی کی مسلسل تلاش۔ اس کے ذہن میں یہ تمام یادیں تسلسل کے ساتھ آنے لگیں۔

گل بانو تو اب جوان ہو گئی ہو گی۔

کس حال میں ہو گی؟

Marfat.com
Marfat.com

خدا جانے! خدا جانے!

شام کا وقت تھا، روشنی دھیرے دھیرے کم ہو رہی تھی۔ اس نے یکا یک اپنی رفتار تیز کر دی۔

کچھ دیر بعد دور سے اسے ایک بستی دھندلکے میں دکھائی دی۔ جہاں عورتیں روٹیوں کے لیے تنور گرم کر رہی تھیں اور دھوئیں کی لکیریں آسمان کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

اس نے ایک ٹیلے پر سے ہاتھ کی اوٹ بنا کر اس بستی کی طرف نگاہ ڈالی اور پھر جلدی جلدی ٹیلے سے اترتے ہوئے اس طرف چل دیا۔

اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔

بستی کے اندر پہنچ کر گاؤں کے کتوں سے بچتا بچاتا وہ ایک جھونپڑی کے سامنے رک گیا۔ اسے تنور کی تازہ تازہ روٹیوں کی مہک آ رہی تھی۔

اس نے پھر ہاتھ کی اوٹ بنا کر دیکھا کہ ایک خوب صورت اور تندرست جوان لڑکی روٹیاں پکا رہی تھی۔

اس نے جیب کے اندر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! یہ لو پیسے اور مجھے دو روٹیاں دے دو۔''

''بیٹھ جاؤ بابا!'' اس لڑکی نے کہا۔ ''روٹی کھا لو ہم روٹیوں کے پیسے نہیں لیا کرتے۔''

''بیٹی!'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں پیسے دیے بغیر روٹی نہیں کھایا کرتا۔'' اور یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے کو تھا کہ لڑکی نے اپنی ماں کو آواز دی۔ اس کی ماں باہر نکلی اور تنک کر بولی۔ ''کتنے پیسے دے سکتے ہو تم؟ بھوکے ہو تو روٹی کھاؤ اور راستہ ناپو، بڑے آئے رئیس کہیں کے!''

Marfat.com
Marfat.com

''بی بی'' وہ کہنے لگا۔ ''ایسے مت کہو! مسافروں سے غصہ نہیں کرتے لاؤ، روٹی لاؤ۔''

''یہ لو'' اس عورت نے بوڑھے کے ہاتھ میں دو روٹیاں تھماتے ہوئے بیٹی کو آواز دی۔ ''گل بانو! ذرا اندر سے اچار لے آنا اور پانی بھی!''

''گل بانو؟''

بوڑھا بری طرح چونکا، اس کا دل دھک دھک کرنے لگا! اس کی اپنی بیٹی کا نام بھی تو گل بانو تھا! اور پھر وہ خاموشی سے روٹی کھانے لگا!

''اس فقیر کا منہ کیا دیکھ رہی ہو؟'' اس عورت نے بیٹی سے کہا۔ ''چلو تنور ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''مجھے فقیر مت کہو بی بی!''

اس بوڑھے مسافر نے دل گرفتہ اور غمگین ہو کر کہا۔ ''میں فقیر نہیں ہوں!''

''تو پھر کیا ہو؟ اس سڑی ہوئی بندوق سے تم رئیس زادے بن گئے ہو کیا؟''

''ہاں!'' بوڑھے نے روٹی کھاتے ہوئے کہا۔ ''بولو! کتنے پیسے درکار ہیں؟''

''مذاق کرتے ہو؟''

وہ عورت بھنا کر بولی۔ ''شرم نہیں آتی تمہیں؟ خیرات کی روٹی اور اوپر سے مذاق؟ بے حیا بدتمیز آدمی!''

یہ سن کر بوڑھا سناٹے میں آ گیا۔

ایک لمحہ وہ ساکت و جامد رہا۔ پھر اس نے اپنا کمر بند ٹٹولنا شروع کیا اور نوٹوں کا ایک بھاری پلندہ نکال کر اسے حقارت سے بڑھیا کے سامنے پھینک دیا!

بڑھیا اب پتھر بن کے رہ گئی۔ مسافر خاموشی سے روٹی کھاتا رہا!

Marfat.com
Marfat.com

اس عورت نے نوٹوں کا پلندہ اٹھایا اور بت کی طرح گم سم ہو کر اس بوڑھے کو دیکھنے لگی۔

روٹی کھا کر اس بوڑھے نے پانی پیا اور پھر اس بڑھیا سے مخاطب ہو کر بولا:

''نور جان! اب تمھارا وقت آ گیا ہے! میں شیر زمان ہوں! گل بانو کا باپ!''

یہ کہہ کر اس نے بندوق کندھے سے اتاری ہی تھی کہ نور جان غش کھا کر گری اور ایسی گری کہ پھر اٹھ نہ سکی۔

Marfat.com
Marfat.com

# کیکر کی چھاؤں

رحمت علی ایک سیدھا سادا آدمی تھا لیکن اس نے جس مہارت اور صفائی سے اپنی گھر والی کے چچا زاد بھائی پیرو کو قتل کیا تھا، اس کا جواب نہ تھا۔ تھانیدار، کھوجی، سپاہی اور گاؤں والے تمام لوگ سر پیٹ کر رہ گئے لیکن قتل کا سراغ نہیں مل سکا۔

حالانکہ رحمت نے اپنے تمام شکوک کو اکٹھا کر کے ان کو درست سمجھ کر اور پورے یقین کے ساتھ پیرو کو قتل کیا تھا لیکن کبھی کبھی اسے ایک انجانا خوف گھیر لیتا اور پھر اسی خوف کے ساتھ ایک جان لیوا پچھتاوا بھی اسے ستانے لگتا اور وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ محض شک کی بنا پر کسی کو مار ڈالنا کہاں تک جائز تھا؟ اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا کہ اس کی گھر والی جیناں بے وفا ہے اور پیرو سے اس کا یارانہ ہے!

''اس قسم کا شک نہایت ہی واہیات چیز ہے۔'' اب وہ اکثر سوچتا۔

''اس سے سارا تن بدن جل جاتا ہے اور پھر قتل کے بعد کا پچھتاوا تو اس سے بھی برا ہے!'' اور پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ہر دم اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ہی بھیانک منظر رہنے لگا۔ امرود کے باغ میں پیرو کی سر بریدہ لاش اور ایک ٹہنی میں اٹکا ہوا

Marfat.com
Marfat.com

اس کا سر! اسے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ اسے چپ لگ گئی تھی۔ کھیتوں میں ہل چلاتے وقت اس کی سانس پھول جاتی تھی۔ اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا اور بھوک نہیں لگتی تھی۔

ایک بات جو اسے پاگل بنانے سے روک رہی تھی وہ یہ تھی کہ پیرو کے قتل کے بعد جیناں کو غش پر غش آ رہے تھے اور رحمت کو کچھ یوں احساس ہو رہا تھا کہ جیناں اور پیرو کے درمیان کوئی راز کی بات ضرور تھی۔

وہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پھنسا ہوا تھا اور اس چکی کے پاٹوں کے درمیان بڑی اذیت تھی بہت دکھ اور بہت کرب تھا! وہ اکثر سوچتا۔ ''یہ شک بھی کیا واہیات چیز ہے، لیکن جیناں کو غش کیوں آ رہے ہیں؟ وہ تو اس کا چچا زاد بھائی تھا خاوند تو نہ تھا؟''

پیرو کے چالیسویں پر جب وہ فاتحہ پڑھنے اس کی قبر پر پہنچا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس پر جنون کا ایک دورہ پڑا۔ اس نے آنکھیں پونچھیں اور پیرو کے قتل کا اعتراف کرنے کے لیے سیدھا تھانے جا پہنچا۔ تھانے دار نے اس کو دیکھا تو کہنے لگا۔ ''ابھی پیرو کے قتل کا کوئی سراغ نہیں ملا بھائی! اچھا ہوا کہ تم آ گئے، ذرا ایک بات تو بتاؤ۔'' یہ کہتے ہوئے تھانیدار نے الماری سے سونے کا ایک جھمکا نکال کے پوچھا۔ ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ کس عورت کا ہے؟'' وہ جھمکا دیکھ کر رحمت کو اندر ہی اندر ایک زور کا جھٹکا لگا، لیکن وہ اسے پی گیا اور بولا۔ ''آپ نے گاؤں والوں سے نہیں پوچھا؟''

''سب سے پوچھ لیا ہے۔'' تھانیدار نے کہا۔ ''مردوں کو معلوم نہیں اور عورتیں چپ ہیں یار یہ بات کیا ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم!'' رحمت نے جیناں کا جھمکا واپس کرتے ہوئے کہا۔

Marfat.com
Marfat.com

''لیکن اس کا پیرو سے کیا تعلق؟''

''کیا تعلق؟'' تھانے دار نے طنزیہ انداز میں ہنس کر کہا۔ ''یہ جھمکا ہمیں پیرو کی باغ والی کوٹھڑی سے ملا تھا۔''

رحمت تھانے سے باہر نکل آیا۔

اس کا سر جھک گیا تھا۔

اس کی چال میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ آ گئی تھی۔

اب جیناں کی باری تھی اور وہ نکوا لینے کے لیے اپنے کنویں کی طرف جا رہا تھا کہ اسے اپنی ہمسائی تائی بھاگ بھری دکھائی دی جو اپنی بہو کے ساتھ گاؤں سے باہر کی طرف جا رہی تھی!

مائی بھاگ بھری نے قریب آ کر رحمت کا ماتھا چوما اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کو بتایا کہ جیناں گاؤں چھوڑ کر کہیں چلی گئی ہے! جیناں نے رحمت سے جان بخشی کی التجا کی تھی اور اس کے لیے ایک سنیہاں چھوڑ گئی تھی!

رحمت نے تب وہیں سے پیرو کے گھر کا رخ کیا اور جب اس نے اس کے گھر کے دروازے کی کنڈی کھڑکھڑائی تو اس کے بدن میں ہلکا سا رعشہ تھا!

دروازہ کھلا تو اسے پیرو کی بیوہ زرینہ دکھائی دی۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور وہ بے حد اداس اور غمگین نظر آتی تھی۔

اپنی حالت پر ادھ موا سا ہو جانے کے باوجود اسے پیرو کی بیوہ پر ترس آیا۔ اس کا دل بیٹھ گیا اور ہردے میں بڑے زور کی چبھن محسوس ہوئی!

''اندر آ جاؤ۔'' زرینہ نے نحیف آواز میں کہا اور رحمت دو قدم بڑھا کر صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھ گیا اور پانی مانگا!

زرینہ پانی کا کٹورہ لے آئی۔

Marfat.com
Marfat.com

رحمت نے پانی پیا اور کچھ سوچنے لگا۔

اس نے زرینہ کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھیں جھکا لیں!

دونوں کچھ دیر خاموش رہے، جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں، اور کہہ نہ سکتے ہوں!

پھر رحمت نے گلا صاف کیا، اور بولا! ''تم نے جیناں کا جھمکا دیکھا تھا؟''

''ہاں!'' زرینہ نے جواب دیا۔

''تو پھر تم خاموش کیوں رہیں؟''

زرینہ کوئی جواب نہ دے سکی اور دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر سسکیاں بھرنے لگی۔

رحمت کا دل پگھل گیا اور اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے!

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی!

اس کے بعد باہر کہیں فاختہ کی کوک سنائی دی!

رحمت یکایک اٹھ کھڑا ہوا، سر سے پگڑی اتاری اور اس کو زرینہ کے قدموں میں رکھ دیا!

اس واقعے کو کئی سال گزر گئے ہیں لیکن اس کے بعد گاؤں والوں نے رحمت اور زرینہ کو پھر کبھی نہیں دیکھا۔

❀ ❀ ❀

Marfat.com
Marfat.com

# توبہ کی رات

## (۱)

جھیرے اور مختارے نے اب کی بار ایک بڑے سنار کی دکان کی چھت میں سیندھ لگائی تھی اور لاکھوں کا مال سمیٹ کر رات کے اندھیرے میں خود اندھیرا بن کر غائب ہو گئے تھے۔ مختارا چھپ گیا تھا اور جھیرا مال چھپانے کے لیے دوسری طرف نکل گیا تھا!

چار دن گزر گئے لیکن جھیرا واپس نہیں آیا۔ مختار کو فکر پڑ گئی کہ وہ کہیں پکڑا نہ گیا ہو۔ اس کی راتوں کی نیند حرام ہونے لگی تھی اور وہ ذرا سی آہٹ پر بھی چونک اٹھتا تھا۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے گھر کی کچی دیوار پھاندی ہو! اس نے ہڑبڑا کے پوچھا۔ ''کون ہے؟'' آنے والے نے جواب دیا۔ ''تیرا باپ۔''

یہ آواز سن کر مختارے کی آنکھوں کے دیپک ایک چھناکے سے روشن ہو گئے۔ وہ لالٹین لے کر باہر نکلا اور دیکھا کہ سامنے جھیرا کھڑا ہے! بالکل رحمت کے

Marfat.com
Marfat.com

فرشتے کی طرح!

جھیرے نے سب سے پہلے تو روٹی کھائی، پھر پانی پیا، اور پھر سگریٹ سلگایا اور چار دن غائب رہنے کی وجہ بتاتے ہوئے بڑی دہشت ناک خبروں کا آغاز کر دیا!

''سالے'' اس نے کہا۔ ''اب وہ پرانے زمانے گئے، اب نیا وقت آ گیا ہے! معلوم ہے اب کیا ہوگا؟''

''کیا؟'' مختارے نے بے قراری سے پوچھا۔

''ڈاکوؤں کو شہر کے بڑے چوک میں پھانسی دے دی جائے گی۔ ساری دنیا تماشا دیکھے گی اور معلوم ہے پھر کیا ہوگا؟''

''کیا؟''

''جناب ہوگا یہ'' جھیرے نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔ ''ملک بھر کے مچھندروں پر کوڑے پڑیں گے۔ وہ کوڑے پڑیں گے کہ ان کی کھال الگ اور جسم الگ ہو جائے گا!''

''قربانی کے بکرے کی طرح!'' مختارے نے کہا۔

''ہاں اب نیا وقت آ گیا ہے!'' جھیرا بولا۔ ''شراب بند ہوگئی ہے، کنجریوں کے کوٹھے ویران ہو گئے ہیں، جگہ جگہ پولیس کھڑی ہے، ایسے لگتا ہے کہ پورے شہر کے لوگوں نے وردیاں پہن لی ہوں! اور سن اگر کوئی کسی کنجری کے ساتھ پکڑا گیا تو سنگسار کر دیا جائے گا۔''

''کیا کہا؟ کیا کہا؟'' مختارا بولا۔ ''سنگسار یہ کیا ہوتا ہے؟''

جھیرے نے جواب دیا۔ ''اب سنگسار، سنگسار، پتھر مار مار کے جان سے مار دیں گے۔''

''پتھر مار مار کے مار دیں گے؟'' مختارے نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کون؟''

Marfat.com
Marfat.com

''وہی جنھوں نے کبھی گناہ نہ کیا ہو!''

یہ سن کر مختارے کی سٹی گم ہو گئی، وہ بے بسی کے عالم میں اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا، پھر بولا: ''لیکن ہمارا کیا ہوگا جھیرے؟''

''خانہ خراب'' جھیرے نے جواب دیا۔ پکڑے گئے تو ہمارے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے!''

''یار، ہمارے ہاتھ کٹ گئے تو پھر ہم روٹی کیسے کھائیں گے؟''

''کتوں کی طرح'' جھیرے نے کہا اور چارپائی پر پہلو بدل کے لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے خراٹوں کی صدا آنے لگی۔ مختارا بھی اونگھتے اونگھتے سو گیا۔ اس رات اس نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔

## (۲)

کچھ عرصے کے بعد جب اس واردات کا چرچا ٹھنڈا پڑ گیا تو وہ ایک اندھیری رات کو گھر سے نکلے، چھپتے چھپاتے ایک کھنڈر تک پہنچے، جہاں زمین کھود کر انھوں نے چوری کا مال نکالا جسے جھیرے نے ایک مٹکے میں بند کر دیا تھا۔ یہاں سے وہ سردارے کی حویلی کی طرف چلے جو شہر سے باہر تھی۔ لیکن حویلی کے قریب جا کر وہ ٹھٹک گئے کیونکہ حویلی میں روشنی ہو رہی تھی۔ سردارا رات کے وقت لالٹین یا دیا جلاتا تھا تاکہ روشنی باہر نہ جائے۔ اس کا تمام دھندا ہی روشنی کے خلاف تھا۔ اب جو روشنی ہو رہی تھی تو اس کا مطلب سب آنے والوں کے لیے یہ تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے، اندھیرا ہو جائے تو آنا!

وہ دونوں سردارے کی حویلی کی پچھلی دیوار کے ساتھ سرکنڈوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جونہیں بتیاں بجھیں تو وہ دبے پاؤں سردارے کے سامنے حاضر ہو گئے!

جھیرے نے پوچھا۔''یار سردارے آج تیری حویلی میں روشنی کس لیے

Marfat.com
Marfat.com

تھی؟''

''سرکار کے بندے آئے تھے، پوچھ پچھ کرنے کے لیے! آج کل بڑی سختی ہو رہی ہے!''

''پکڑ لے تو نہیں گئے؟''

''فقط رشوت لے گئے ہیں، بڑی بھاری!''

''رشوت؟'' مختار اچھل کر بولا۔ ''رشوت چل رہی ہے کیا؟''

''فقط چل نہیں رہی'' سردارے نے جواب دیا۔ ''دوڑ رہی ہے، چھلانگیں لگا کر!''

''یارا!'' مختار بہت پر امید ہو کر بولا۔ ''پھر تو ہم بھی دوڑ لیں گے اس کے ساتھ ساتھ، چھلانگیں لگا کر!''

''کیوں؟ کیا ہوا ہے؟'' سردارے نے پوچھا۔

اب جھیرے نے پچھلی طرف سے مٹکا گھمایا اور اسے الٹ دیا۔ مٹکے نے کہا۔ ''آداب عرض، یہ سارا مال گھیلے کا ہے!''

''چھنن، چھنن، چھنن!''

سردارے نے مٹکے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نوٹوں کی تمام گڈیاں رکھ لیں۔ باقی سامان رہنے دیا۔

اب جھیرے نے سردارے کو اپنی مشکل بتائی اور کہا اس کو اب ہر کھمبا پولیس والا دکھائی دیتا ہے۔''

''تیرا کوئی قصور نہیں۔'' سردارے نے کہا۔ ''وقت ہی ایسا آگیا ہے! میں خود بڑی مشکل سے بچا ہوں! تم حویلی کے تہ خانے میں رہو، وہاں رہنے کا انتظام ہے کھانا میں بھجوا دیا کروں گا اس تہ خانے کی خبر پولیس کے باپ کو بھی نہیں ہو سکتی!''

Marfat.com
Marfat.com

تہ خانے میں آ کر ان کو یوں محسوس ہوا کہ وہ ایک ایسی جگہ آ گئے ہیں جہاں ایٹم بم بھی اثر نہیں کر سکتا! اس احساس تحفظ کے ساتھ ہی ان کے دل میں شراب پینے کی خواہش اس طرح سے جاگ اٹھی جیسے رات کی گود میں جگنو جاگ اٹھتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں ایک ملازم ٹرے میں شراب کی بوتل، سوڈا اور برف لا رہا ہے!

اس تہ خانے میں ان کے دن بڑے آرام سے گزر رہے تھے کہ ایک رات کو انھیں کچھ یوں محسوس ہوا جیسے دور کہیں ہارمونیم بج رہا ہو، اور طبلے کی تھاپ پر کسی رقاصہ کے گھنگرو چھنک رہے ہوں۔ مختارے نے اپنے سامنے رکھے گلاس سے ایک گھونٹ بھرا اور بولا: ''مجرا ہو رہا ہے! معلوم نہیں کون خانہ خراب آئے ہیں!''

''میں بتاؤں؟'' جھیرے نے کہا۔ ''خدا کی قسم یہ سرکاری مچھندروں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا! سردار ان سالوں کو شیشے میں اتارنے کے سب گر جانتا ہے!''

''یار!'' جھیرے نے بڑی حسرت بھری آواز میں کہا۔ ''ناچنے والی کے پیروں کی یہ چھنا چھن میرے کلیجے میں تیر کی طرح لگتی ہے!''

''ٹھیک کہتا ہے تو!'' مختارے نے کہا۔ ''تجھے تو تیر ہی لگتا ہے نا؟ اور میرے سینے پر چھریاں چل جاتی ہیں! تھوڑی سی اور ڈال میرے گلاس میں۔''

''معلوم نہیں یار ہمارا بنے گا کیا؟'' جھیرا کہنے لگا۔ ''جان چھوٹے گی بھی یا نہیں۔ ہم بھی کبھی یہ چھن من، چھن من دیکھ سکیں گے یا نہیں؟''

''میرا بھی یہی حال ہے!'' مختارا بولا۔ ''جی چاہتا ہے کہ خود گھنگرو باندھ لوں، اور یہ جو ہارمونیم کی آواز آ رہی ہے نا اور طبلے کی تھاپ کی، اس کے ساتھ کنجری بن کے ناچنے لگوں!'' اس کے ساتھ ہی اس نے بازوؤں کو مترنم انداز میں بل دے کر ایک رقاصہ کی طرح کولہے ہلائے۔ جھیرے کے جی میں جانے کیا آئی کہ اس نے ایک

Marfat.com
Marfat.com

ہاتھ سے ناگ کا پھن بنایا، اور مختارے کوڈسنے کے سے انداز میں رقص کرتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا!

ایسے میں سردارا ایک فاتحانہ انداز میں تہ خانے کی سیڑھیوں پر نمودار ہوا، اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھے ان دونوں کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگا! وہ دونوں وہیں رک گئے، جہاں ان کے ہاتھ اور پاؤں لہرا رہے تھے! سردارا چند لمحے انھیں دیکھتا رہا، پھر اس نے یکا یک دھماکہ کر دیا۔ ''اب تو! تمھارا کام ہو گیا ہے!''

یہ سن کر ان دونوں کی آنکھوں سے روشنی نکل کر سردارے کے چہرے پر اس طرح پڑنے لگی کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ تب جھیرے نے کہا۔ ''سردارے ہم کو بارڈر پار بھی جانا پڑے گا۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' سردارے نے جواب دیا۔ ''لاؤ، اپنا مال لاؤ!''

جھیرے نے مٹکا اٹھایا، اور تمام زیورات بستر کی چادر میں لپیٹ کر اس کے حوالے کر دیے! اس کے بدلے میں دوسرے ہی روز ان کو بڑے نوٹوں کی بھاری گڈیاں مل گئیں۔

## (۳)

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی کہ یہ دونوں بارڈر پار کر کے اپنے یار تیجا سنگھ کے پاس جا پہنچے۔ تیجے نے ان کی خاطر مدارت کی اور پھر حال احوال پوچھا۔ اس پر مختارے نے کہا۔ ''یار! خانہ خراب ہو گیا ہے، ہم لٹ گئے ہیں، اجڑ گئے ہیں!''

جھیرے نے سر پیٹ کر کہا۔ ''تباہ ہو گئے ہیں، برباد ہو گئے ہیں۔''

''کیا ہوا؟'' تیجا سنگھ پچھ پچھ ان ہونے لگا۔

''یار تم تو خود تباہی اور بربادی کا نام ہو، یہ تم پہ تباہیاں کدھر سے آ گیاں؟''

''تیجے ہمارے ملک میں ان کلاب آ گیا ہے۔'' جھیرے نے کہا۔

Marfat.com
Marfat.com

مختارے نے اپنی رام کہانی بیان کی تو تیجا سنگھ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا:
''اچھا! تم بے فکر ہو کے آرام سے رہو میرے پاس! لیکن تلک لگا کر ہندوؤں والے کپڑے پہن لینا۔ تم کو کوئی کچھ نہیں کہے گا۔'' یہ سن کر انھوں نے اپنے نوٹوں کے بنڈل تیجے کو دے دیے اور تیجے نے ان کا حساب لکھ لیا۔

بارڈر پار کر کے ابھی چند مہینے ہی گزرے تھے کہ وہ اداس ہو گئے اور یہ اداسی آہستہ آہستہ ایک خوف میں بدل گئی اور پھر یہ خوف اتنا بڑھا کہ ان کی نیند جاتی رہی!

ایک دن مختارے نے جھیرے سے کہا۔ ''یار مجھے لگتا ہے کہ میں مر جاؤں گا۔''

''مجھے بھی کچھ ایسے ہی لگتا ہے!'' جھیرے نے جواب دیا اور پھر دونوں سوچ کے اندھیروں میں گم ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جھیرے نے کہا۔

''مختارے۔''

''ہاں!''

''او یار میں تنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے، ہندوؤں جیسے کپڑے پہن کر اپنے آپ کو دیکھتا ہوں تو ایسے لگتا ہے جیسے غش کھا کر گر پڑوں گا۔''

''یہی حال میرا بھی ہے۔'' مختارنے بڑی دردناک روہانسی آواز میں کہا اور پھر دونوں خاموش ہو گئے!

کچھ وقفے کے بعد جھیرے نے تجویز پیش کی۔ ''یار چل واپس چل کے مسجد میں جا کر توبہ کر لیتے ہیں، ایک دن مرنا تو ہے آخر! توبہ کر کے مر جائیں گے، جان تو عذاب سے چھوٹ جائے گی نا؟''

''میرا بھی یہی خیال ہے، توبہ کر لیتے ہیں، پھر کوئی گناہ نہیں کریں گے۔''

''چاہے پھانسی لگ جائے!''

Marfat.com
Marfat.com

''ہاں، چاہے پھانسی لگ جائے!''

''لیکن یار! اگر توبہ کرنے سے پہلے ہی پکڑے گئے تو؟''

''یہ تو کتوں جیسی حرام موت ہو جائے گی۔ ہاتھ ملاؤ!''

''اور حرام موت ہم کو مرنا نہیں ہے۔''

''نہیں، ہرگز نہیں۔''

''سنو!''

''ہاں!''

''ایک ترکیب آئی ہے میرے دماغ میں۔'' اور یہ کہہ کر جھیرا چارپائی پر اٹھ کے بیٹھ گیا، پھر سگرٹ سلگایا، ایک کش لیا اور بولا۔ ''بہت ودھیا ترکیب ہے۔''

''کیا؟'' مختار اسراپا تجسس بن کے بولا۔

''ارے سالے تم کو یاد ہے ہم نے ایک مرتبہ جھوٹے پاسپورٹ بنانے کا کاروبار کیا تھا؟''

''ہاں یاد ہے، میری یاد کو کچھ نہیں ہوا تو آگے بول۔''

''تو ایسے ہی پاسپورٹ بنوا کر ہندوؤں کے نام سے اپنے ملک کو چلے جاتے ہیں۔''

''اور پھر؟''

''پھر کیا؟''

''پھر کسی گاؤں کی مسجد کے مولوی صاب کے پاس چلے جائیں گے، اور ہاتھ جوڑ کر کہیں گے کہ بابا جی رام بھلا کرے گا، ہم کو مسلمان بنا لو، اور پھر جب ہم مسلمان بن جائیں گے تو لوگ ہمارے نام بھی بدل ڈالیں گے۔ پھر ہم حلال کی روزی کمائیں گے اور کوئی مائی کا لال ہم کو پکڑ بھی نہیں سکے گا!''

Marfat.com
Marfat.com

''بات تو ٹھیک ہے۔'' مختارے نے داد دینے کے سے انداز میں کہا۔تو ہے بڑا احرامی، لیکن دو چار بار پھر سوچ لے۔''

''اے سوچنا کیا ہے؟ بس ہو گئی بات پکی توبہ اور حلال کی روزی!''

(۴)

رات کو جب تیجا سنگھ اپنے اڈے پر پہنچا تو اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا اور دوسرے ہاتھ میں ولایتی شراب کی خوب صورت ڈیزائن کی نئی نکور بوتل! ان دونوں کو دیکھتے ہی تیجا سنگھ ایک جگہ ٹھہر گیا پھر سر کو چنچل پن سے دائیں بائیں ہلایا اور پھر اونچی آواز میں بولا۔

''اوئے کتے دے پترو، تہاڈے لئی بڑی خوشخبری ہے۔''

''خوشخبری'' مختارے نے جھیرے کی طرف نظر ڈال کے تیجے کی طرف دیکھا اور بولا۔''کیسی خوشخبری؟ اوئے تیجے سالے، دیکھ مذاق مت کرنا ہم دونوں گلے میں جوتوں کے ہار پہن کر بیٹھے ہیں، میں پھر کہتا ہوں، مذاق مت کرنا، چھیڑ خانی اور مذاق کے دن اب گئے!''

جھیرے نے بھی تیجے کی بات پر یقین نہیں کیا۔ وہ نہایت بیزاری سے کہنے لگا۔''یار تیجے مذاق نہ کر، جن کو مولا نے عذاب میں ڈال رکھا ہو، ان سے مذاق نہیں کیا کرتے۔''

یہ سن کر تیجا سنگھ شوخی اور شرارت سے چھلانگ لگا کر ان دونوں کے قریب آ گیا اور وسکی کی وہ نئی نکور خوب صورت بوتل دکھا کر بولا۔''یہ کیا میں مذاق کے لیے لایا ہوں؟'' تیجا واقعی بہت خوش دکھائی دے رہا تھا! اس نے پہلے تو شراب کی وہ بوتل میز پر رکھ دی اور پھر سامنے والے مونڈھے پر بیٹھ کر اخبار کھولا، اس کو سیدھا کیا، ورق الٹائے، اور پھر کہنے لگا۔''لو سجنو اب ذرا غور سے سنو! تین ہفتوں میں ایک ہزار تین سو

Marfat.com
Marfat.com

پچاس ڈاکے!''

''کہاں؟'' ان دونوں نے بے قراری سے پوچھا اور تیجا بولا۔'' دس ہزار چھ سو پچاس چوریاں فقط پانچ دنوں میں۔''

''ہیروئن کا کاروبار گھر گھر، گلی گلی!''

مختارا اور جھیرا اب زور سے بیک آواز بولے۔'' کہاں کہاں؟''

تیجے نے کچھ نہیں سنا، وہ ایک ہی سانس میں خبر پڑھتا چلا گیا۔'' کروڑوں روپے شراب کا دھندا۔''

اب کی بار جھیرے اور مختارے نے ایک دوسرے کی طرف اس طرح دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں، یہ تیجا حرامزادہ پاگل ہو گیا ہے! لیکن تیجا رکا نہیں۔

''جوا، خرکاری، بردہ فروشی اور سمگلنگ کا راج، ہر شہر، ہر قصبے، ہر دیہات میں! سمجھے؟''

''نہیں سمجھے۔''

''پھٹے منہ تہاڈا۔ اوئے سور دے پتر و، جس دیس تے آئے ہو یہ وہیں کی خبریں ہیں! لاؤ ہاتھ۔''

تیجے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو دونوں نے بے دلی سے اپنے اپنے ہاتھ آگے کر دیے۔ تیجا سنگھ بڑا حیران ہوا اور بولا۔'' یار و تم چپ کیوں ہو؟ کوئی اپنا بندہ مر گیا ہے کیا؟''

اب جھیرے نے ذرا شرمسار ہو کر اور آنکھیں جھکا کر کہا۔'' پچھلی رات ہم نے توبہ کی قسم کھائی تھی۔''

''توبہ؟'' تیجا سنگھ کچھ اس قدر بدمزہ ہو کر بولا گویا اس کو ناگ نے ڈس لیا ہو!

Marfat.com
Marfat.com

اس کا چہرہ متغیر ہو گیا اور وہ شدید غصے کے عالم میں ہذیان بکنے لگا۔ ''اور یہ لوگ جو ہمارے اور تمھارے دیس میں دیش بھگت اور اصلی بگلا بھگت بڑی سے بڑی سوگند اور بڑے سے بڑا وچن دے کر کروڑوں اور اربوں کا رگڑا دے جاتے ہیں تو ان کی توبہ کو کیا ہو جاتا ہے؟'' اور یہ کہہ کر تیجا سنگھ آخر میں گالیاں بکنے لگا، اور ان گالیوں کے درمیان ایسے ایسے حیرت انگیز انکشافات کرنے لگا کہ جھیرے اور مختارے کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

آخر کار تیجے سنگھ کے ہاتھوں کے بے باک اشاروں نے ان کے دماغ کو سرچ لائٹ کی طرح روشن کر دیا، اور ان کا احساسِ جرم جاتا رہا، تیجا سنگھ نے اپنی اس ولولہ انگیز تقریر کے آخر میں کہا۔ ''اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میں اپنے باپ کا نہیں، اور اگر میں سچ کہتا ہوں تو تم اپنے باپ کے نہیں ہو!''

یہ سن کر جھیرے نے بڑے معنی خیز انداز میں، مسکرا کر کہا۔ ''تم اپنے باپ ہی کے ہو اور ہم بھی!'' تیجا سنگھ یہ سن کر بہک گیا، اور پھر بہک جانے کے لیے اس خوب صورت بوتل کا کاگ اڑا دیا، اور قلقل قلقل کرتی آواز میں شراب گلاسوں میں انڈیلنے لگا۔ مختار اور جھیرا دونوں تیجے کی حق پرستی کے ممنون دکھائی دینے لگے اور جب دو گھونٹ شراب ان کے خون میں شامل ہو گئی تو تیجا سنگھ نے جسم کو رقص کے سے انداز میں ڈھالا اور بولا۔ ''دن آئے موج بہار کے!''

جھیرا اور مختار ناچ کر بولے۔ ''ہم صدقے تیجے یار کے!''

اس رات کو وہ مستانہ وار رقص کرتے اور گاتے رہے! اور دوسرا تمام دن انھوں نے آرام سے سو کر گزارا۔

اور جب رات بھیگ گئی تو مختارے اور جھیرے نے ہندوؤں والا لباس اتار

Marfat.com
Marfat.com

دیا، منہ دھو کر تلک مٹائے اور لباس تبدیل کر کے جس طرح بارڈر پار کر کے آئے تھے، ویسے ہی بارڈر پار کر کے اپنے ملک میں واپس آ گئے۔ جیسے صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے!

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# لڑائی

بارڈر پار کے اس گاؤں مناواں کے مویشی جب مسلمانوں کے گاؤں فرید آباد میں آجاتے تو یہاں کے لوگ برا نہیں مانتے تھے اور اگر مسلمانوں کے مویشی مناواں چلے جاتے تو وہ بارڈر پار کر کے ان کو واپس ہانک لاتے تھے۔ گویا ان دونوں دیہاتوں میں ایک ان لکھا سمجھوتہ تھا!

ایک دفعہ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک بیل جب بارڈر پار کر کے اس طرف آ گیا تو فرید آباد کے بیل نے اس کو آڑے ہاتھوں لیا اور ان دونوں میں زبردست ٹاکرا ہو گیا!

تب سرحد پار سے ہندو سکھ بھی آ گئے اور دلچسپی سے یہ مقابلہ دیکھنے لگے اور پھر شرطیں لگ گئیں، پھر اس کے بعد نعرہ تکبیر اور ''شیو مہاراج کی جے،، کا شور ہونے لگا اور وہ دونوں بیل گھنٹوں تک ایک دوسرے کو پیلتے رہے۔ آخر کار مسلمانوں کے بیل نے ہندو بیل کو ایک خانہ خراب قسم کی ٹکر ماری اور اس کا حریف گھٹنوں کے بل گر گیا! اور جب اس کو دوسری خوفناک ٹکر لگی تو وہ بھاگ نکلا' فرید آباد کے بیل نے تب اس کا پیچھا کیا' اور اس کو دور تک بھگا کے واپس آ گیا!

Marfat.com
Marfat.com

یہ دیکھ کر فرید آباد والے ناچنے لگے اور شرطیں ہارنے والوں سے اپنی رقم طلب کی! مشکل یہ آن پڑی تھی کہ دونوں ملکوں کی کرنسی مختلف تھی۔ لہٰذا شرطوں کی کل رقم کے بدلے میں مناواں کے لوگوں سے بیس من چاول لے لئے گئے۔

فرید آباد والوں نے اس روز اپنے غازی بیل کو ہار پہنائے‘ اس کی بہت ٹہل کی‘ اور جلوس نکالا‘ جس میں سب سے آگے ان کا غازی تھا! اس روز دیگیں آ گئیں اور تمام گاؤں والوں کے لئے میٹھے چاول پکائے گئے! سرحد پار کے بہت سے لوگ یہ سارا تماشا دور سے دیکھتے رہے! اس طرف بھنگڑا ہوتا رہا اور دوسری طرف شرمندگی کا سناٹا چھایا رہا!

اس بات کو ابھی دو دن بھی نہیں گزرے تھے کہ فرید آباد کے لوگوں نے دیکھا کہ ان کا ''غازی'' نیزے کے زخموں سے مر چکا ہے! اب لوگوں نے مقامی کھوجی کو بلایا جس نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ حملہ آور بارڈر پار کر کے آئے تھے!

یہ دیکھ کر فرید آباد کے نمبردار بابا عثمان عرف بابا جھلا کو سخت غصہ آیا‘ اور اس نے بارڈر پار کے نمبردار مدن گوپال کو بلا کر باز پرس کی اور کہا ''تم نے انتہائی بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے!''

''کیسی بے غیرتی بابا جی!'' مدن گوپال بھڑک کر بولا۔

''بے غیرتی یہ کہ شرطیں ہار کے جب تمہاری نانی مر گئی تو تم نے اس جانور کو مار ڈالا جس سے ہم کو پیار تھا‘ اتنا چھوٹا دل ہے تمہارا؟''

''اسے کسی سکھ نے مارا ہو گا مہاراج'' مدن گوپال نے کہا۔

''سکھ نے مارا یا کسی اور نے۔ بندے تمہارے گاؤں کے تھے! تم دو دنوں کے اندر اندر چار آدمی اپنے گاؤں کے لے کر آؤ اور ہم سے معافی مانگو‘ اور ہمارے جانور کی قیمت ادا کرو!''

Marfat.com
Marfat.com

''اور اگر معافی نہ مانگی تو؟''

''تو پھر ہوگی لڑائی!'' بابے عثمان نے جواب دیا۔

''ہمارے پاس سب جوان بندوقوں والے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہے گوپالے'' بابے عثمان نے کہا ''اوئے بے عقل جنگ میں ہتھیار نہیں لڑتا' جنگ میں حوصلہ لڑتا ہے' حوصلہ! جو تم میں ہے نہیں!'' اب مدن گوپال کیڑے جھاڑ کے بوہڑ کے گھنے درخت کے تلے بچھی چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بولا ''اساں معافی نئیں منگنی!''

یہ کہہ کر مدن گوپال بابے عثمان کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھتا ہوا واپس لوٹا اور بابا عثمان طنز سے مسکرا دیا پھر حقارت سے ہنس دیا ''بندوقیں! بڑا آیا کمانڈر کہیں کا!''

دوسرے روز شام ڈھل گئی تھی' اور گھروں کی بتیاں روشن ہوگئی تھیں کہ بابے عثمان کے دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ باہر نکلا تو گاؤں کے لوگ ایک خبر لے کر آئے۔ اب مناواں کے لوگوں نے ایک اور شرارت کی تھی! اچھے بکروان کی ساس مائی نوراں گھر نہیں پہنچی تھی اور گاؤں کی کچھ عورتوں نے بتایا تھا کہ سورج ڈوبنے سے کچھ دیر پہلے انہوں نے اس بڑھیا کو بارڈر کے پار اپنی ایک بکری کے پیچھے بھاگتے دیکھا تھا۔ بابا عثمان جھلاّ یہ سن کر چپ سا ہو گیا۔ اس کو گوپالے سے اپنی بات چیت یاد آ گئی۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے سوچ میں ڈوبا رہا پھر کہنے لگا ''اللہ نے چاہا تو وہ بڈھی پھاپھاں کیا نام ہے اس کا..... نوراں واپس آجائے گی تم لوگ فکر مت کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔''

وہ لوگ بابے عثمان کے کہنے پر چلے تو گئے لیکن رات بھر کسی کو نیند نہیں آئی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ بابا عثمان صبح سویرے جا کر مائی نوراں کو واپس لانے کی کوشش کرے

Marfat.com
Marfat.com

گا' اور شاید خون خرابہ بھی ہو جائے!

ادھر بابے عثمان کے گھر کا دیا رات بھر بجھا نہیں' وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے عاقل خاں کا انتظار کرتا رہا جو اپنے دوستوں کے ساتھ پانچ میل دور دریا پر مچھلی کے شکار کے لئے گیا تھا۔

بہت دیر ہو گئی تو بابے عثمان نے گھر سے باہر آ کر آسمان پر نظر ڈالی اور اندازہ لگایا کہ آدھی رات گزر چکی ہے!

بابے عثمان نے پھر ہولے سے کہا یا مولا تیرا ہی آسرا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی! پھر جا کر اپنا گنڈاسا اٹھا لیا اور اس کے بعد بڑی احتیاط سے بارڈر پار کر گیا!

☆☆☆

آدھے چاند کی مدھم روشنی میں بابا عثمان چیتے کی طرح گھات لگاتا' درختوں جنگلی جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور پھر گنے کے کھیتوں سے ہوتا ہوا مناواں کے اندر آ گیا۔ اس نے چاروں طرف نظر ڈالی تو دائیں طرف. دور کھیتوں سے پرے اسے الاؤ کے شعلے دکھائی دئے' اور وہ آڑ لیتا ہوا اس طرف کو چلا تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ ایک چارپائی پر پانچ آدمی بیٹھے تھے' بابا ان سے کچھ دور ایک کھیت میں چھپ گیا اور غور سے ان کی طرف دیکھا' تو معلوم ہوا کہ وہ شراب پی رہے ہیں' اور ان سب کے پاس بندوقیں ہیں!

ایسے میں اسے یکا یک اصطبل کے اندر سے مائی نوراں کی آواز سنائی دی۔
''نکالو مجھے یہاں سے' کوئی ہے' ارے نکالو مجھے یہاں سے!'' یہ سن کر وہ لوگ زور سے قہقہہ لگا کے ہنسے اور ان میں سے ایک نے کہا'' او مائی کوئی لینے آئے گا تو نکال لیں گے تجھے' ابھی تک تو کوئی سورما آیا نہیں!'' یہ سن کر بابا عثمان شیر کی طرح اپنی کمین گاہ سے

Marfat.com
Marfat.com

نکلا' اور ان کے سامنے گنڈا سا لہرا کر للکارا'' تگڑے ہو جاؤ جوانو! سورما آ گیا ہے!''
اور پھر ان لوگوں نے دیکھا بابا عثمان چھاتی چوڑی کر کے گنڈا سا لہراتے ہوئے ان کے سر پر موت کے سائے کی طرح کھڑا ہے' اس کے بعد بابے عثمان کا گنڈا سا بجلی کی طرح چمکا' اور ایک نعرہ گونجا'' یا علی حیدر'' اور پھر اس آواز کی گونج رات کی خاموشی میں چاروں طرف پھیل گئی! اور ابھی اس آواز کی گھن گرج ختم نہیں ہوئی تھی کہ بابا عثمان ان پر ٹوٹ پڑا اور چشم زدن میں چار آدمی ڈھیر کر دیئے' ایک آدمی بھاگا بابا اس کے پیچھے دوڑا' اس نے گولی چلا دی' بابا گر پڑا' لیکن فوراً اٹھا' اور اس سے پہلے کہ دوسری گولی چلتی' بابے عثمان کا گنڈا سا دشمن کی گردن ناپ چکا تھا!

بابے عثمان نے اب جلدی سے اصطبل کا دروازہ کھولا' اور مائی نوراں باہر نکل آئی' بابے نے اس کو تیزی سے بھاگنے کو کہا۔ مائی نوراں آگے کی طرف دوڑی' بابا عثمان اس کے پیچھے پیچھے آنے لگا!

☆☆☆

ادھر فرید آباد میں عاقل خاں جب شکار سے واپس آیا تو دیکھا کہ گھر کے دروازے کھلے ہیں' دیا جل رہا ہے لیکن بابا عثمان موجود نہیں ہے۔ اس کی نظر جب اس کونے کی طرف پڑی جہاں اس کا گنڈا سا ہر وقت پہرہ دیا کرتا تھا تو اسے اس جگہ گنڈا سا بھی دکھائی نہ دیا۔

عاقل خاں نے گھروں کے چراغ روشن دیکھے تو دروازے کھٹکھٹا کر گاؤں والوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی اور تھوڑی دیر میں سارا گاؤں ہتھیار بند ہو کر اکٹھا ہو گیا۔ ایسے میں یکا یک ان کو بارڈر پار سے مائی نوراں کی چیخ کی آواز سنائی دی' اس کے بعد پھر گولی چلنے کی آواز آئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے مائی نوراں بال بکھرائے بھاگتی ہوئی گاؤں کے اندر آئی اور شور مچانے لگی'' عثمان کو بچاؤ' عثمان کو بچاؤ!'' اس کے بعد ان کو

Marfat.com
Marfat.com

بابے عثمان کا ہیولا سا دکھائی دیا اور جونہی اس نے گاؤں میں قدم رکھا تو وہ گر گیا۔ لوگ اس کو اٹھا کر گھر لے آئے تو دیکھا کہ وہ اور اس کا گنڈاسا' دونو ہی خون میں نہا چکے ہیں!

بابے عثمان کو فوراً گھی ملا گرم گرم دودھ دیا گیا تو اس نے زبان کھولی اور چاروں طرف لوگوں کا ہجوم دیکھ کر آہستہ آہستہ بولا ''نوراں آ گئی؟''

''ہاں بابا جی'' سب نے یک زبان ہو کر کہا ''آ گئی ہے!'' بابا عثمان سانس لینے کو رکا' پھر بولا۔ ''میں نے ان کے پانچ آدمی مارے ہیں میرے پاس تھا گنڈاسا' اور ان کے پاس تھیں بندوقیں سنا تم نے یہ کہہ کر بابا عثمان پھر سانس لینے کو رکا اور پھر بولا ''میرے بعد میری پگ عاقل خاں کے سر پر رکھ دینا اس کے بعد اس نے آنکھیں موند لیں دیکھنے والوں نے سمجھ لیا کہ بابا عثمان آرام کی میٹھی نیند سو گیا ہے اور پھر کبھی نہیں جاگے گا!''

❀ ❀ ❀

Marfat.com
Marfat.com

# بردہ فروش

سردی کی رات ہے جنگل میں ایک درویش الاؤ جلائے بیٹھا ہے وہ ادھیڑ عمر کا ریش دار آدمی ہے اس نے سر پر کلاہ اور جسم پر میلی سی فرغل پہن رکھی ہے!

چاروں طرف بھیانک تاریکی ہے اور خوفناک سناٹا!

وہ الاؤ کے شعلوں کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔

ایسے میں معاً اس سے کچھ دور خشک پتوں پر کسی کے چلنے کی سرسراہٹ پیدا ہوئی تو وہ چونک پڑا اور غور سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اسے ایک انسانی ہیولا نظر آیا جو تیز تیز چلتا جلد ہی الاؤ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ آدمی لمبا تڑنگا، کالا بھجنگ ڈراؤنی صورت کا تھا اس کے ہاتھ میں نکوا تھا اور کپڑے خون میں لت پت تھے!

کچھ دیر دونوں چپ بیٹھے رہے۔ پھر اس درویش نے ایک خاص علاقائی لہجے میں کہا۔ ''تمھارا سب کپڑا خون خون کیا بات؟''

اس کالے بھجنگ آدمی نے یہ سن کر دانت نکال دیے اور بولا: ''ایک بندے کو قتل کر کے آرہا ہوں!''

Marfat.com
Marfat.com

اس درویش نے کہا۔ ''لڑائی کس بات پر؟''

''لڑائی نہیں ہوئی'' اس خوف ناک آدمی نے جواب دیا۔ ''پچاس ہزار روپیہ طے ہوا تھا ایک آدمی کو مارنے کا۔ پچیس ہزار پہلے اور باقی بعد میں!''

اب نزدیک ہی پتوں پر پھر سرسراہٹ ہوئی اور ایک دبلا پتلا لمبا شخص ایک گٹھڑی اٹھائے الاؤ کی روشنی میں کچھ دور ٹھہر گیا۔ جیسے تذبذب کے عالم میں ہو۔

''کیا بات؟'' درویش نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔ ''آ جاؤ، آ جاؤ، ادھر امارا پاس، سردی بوت، سردی بوت!''

وہ شخص یہ سن کر آگے بڑھا اور الاؤ کے قریب بیٹھ گیا۔ ''اس میں کیا؟'' درویش نے گٹھڑی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''اس سوال پر آنے والے نے پہلے اس درویش کی طرف اور پھر اس کالے آدمی کی طرف دیکھا اور آنکھیں نیچی کر کے مجرمانہ انداز میں بولا۔ ''چوری کی ہے۔''

''ہاہاہا'' وہ کالا بھجنگ کہنے لگا۔ ''یہ بتاؤ کہ اس میں اپنا مال کتنا ہے؟'' اور یہ کہہ کر اس نے اپنا خون آلود ٹکوا الاؤ میں لہرایا اور پھر اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

یہ معاملہ دیکھ کر چور بولا۔ ''آدھا''

اس کے بعد ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔

آدھی رات بیت گئی۔

اور پھر رات کے سناٹے میں دور، بہت دور سے ایک عورت کی آواز آئی۔

''بچاؤ، بچاؤ، بچاؤ!''

وہ کالا آدمی یکا یک بدکا اور اس آواز کو کان لگا کر سننے لگا۔ آواز پھر آئی۔

''بچاؤ، بچاؤ، بچاؤ۔''

''کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔'' وہ کالا آدمی ٹکوا اٹھا کے بولا۔ ''ورنہ اس جنگل

Marfat.com
Marfat.com

کے آس پاس تو کہیں بھی کوئی بستی نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

جب وہ واپس لوٹا تو اس نے ایک ہاتھ سے ایک مرد کی گردن مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک عورت کی کلائی تھی اور بغل میں ٹکوا۔

''کیا بات ہے؟'' اس درویش نے پوچھا۔

''یہ آدمی مجھے دھوکے سے لے کر بھاگا ہے۔'' اس عورت نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

''میں نے اسے خریدا ہے جی!'' وہ آدمی کہنے لگا۔ ''اپنا دھندہ ہے۔''

''سمجھ گیا!'' کالے آدمی نے کہا۔ ''عورت بہت اچھی ہے۔''

''نہیں، بڑی حرام زادی عورت ہے جی۔'' اس کے دلال نے کہا۔ ''خاوند کو زہر دے کر مار چکی ہے۔ دو سال سے دھندا کر رہی تھی۔ میں نے خرید لیا تو آفت ٹوٹ پڑی ہے اس پر۔''

''آفت نہیں ٹوٹی۔'' کالے بھجنگ آدمی نے الاؤ میں ٹکوا چمکا کے کہا۔ ''یہ مال اب اپنا ہے اور میں تو اپنے جناوروں کو بھی بڑے لاڈ سے رکھتا ہوں۔''

ٹکوا دیکھ کر اس عورت کا دلال گنگ ہو گیا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولا، لیکن اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جان کے بدلے عورت دینے کو تیار ہے۔

عورت رو دھو کر خاموش ہو گئی اور ایک دفعہ پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی!

''ارے یار'' یکا یک کالا بھجنگ آدمی اچھل کر بولا۔ ''اس درویش سے تو ہم نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔''

یہ سن کر اس درویش نیک اور پارسا نظر آنے والے آدمی نے کہا۔ ''ام جوٹ نہیں بولے گا بابا...... سچا بات، ام بردہ فروش، بردہ فروش۔''

Marfat.com
Marfat.com

''بردہ فروش؟'' کالے بھجنگ آدمی نے حیرت سے کہا۔''یہ کیا ہوتا ہے؟''

''سب لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے، جیسے بردہ فروش کا مطلب کسی کی سمجھ میں نہ آیا ہو، تب وہ درویش بولا۔''ام بڑا، پوٹا آدمی، بچہ لوگ سب کو پکڑتا اور فروختنی کرتا!'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی تھلی میں سے مٹھائی کا ڈبہ نکالا اور بولا۔

''کاؤ، توڑا توڑا سب لوگ کاؤ۔''

سب نے مٹھائی کے ٹکڑے لے لیے۔ تب اس درویش نے نسوار کی ڈبیا نکالی اور چٹکی بھر کے ہونٹوں تلے رکھ لی۔

''اچھا'' اس کالے بھجنگ آدمی نے مٹھائی کھاتے ہوئے کہا۔''آدمیوں کو پکڑ کر بیچتے ہو، اوران سے بیگار لیتے ہو۔''

''ٹیک، تم ٹیک بولا۔'' درویش مٹھائی کا ڈبہ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔''لو اور کاؤ، توڑا توڑا کاؤ!''

اس کالے آدمی نے کچھ اور مٹھائی لے لی!

تھوڑی ہی دیر میں سب لوگ اونگھنے لگے اور پھر سو گئے۔

درویش بابا نے الاؤ کی روشنی میں اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی، پھر وہ اٹھا، اور لاتیں مار مار کر سب کو جگانے کی کوشش کی، لیکن وہ سب کے سب بے ہوش ہو چکے تھے!

یہ حال دیکھ کر درویش بابا ایک جھاڑی تلے سے زنجیریں نکال لایا اور ایک ایک زنجیر سب کے پیروں میں باندھ کر آہنی کنڈے سے چابی لگا کر قفل بند کر دیے! پھر بولا:''اور کاؤ مٹائی، اور کاؤ!''

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# رُت کی پکار

برسات تھم گئی تو سیدو نے چپکے سے کونے میں رکھا ہوا چھتر جو اس نے بانس پر کیکر کی شاخیں لگا کر پتنگ لوٹنے کو بنایا تھا، اٹھایا اور دبے پاؤں گھر سے باہر نکل آیا۔ بادل چھٹ گئے تھے۔ کہیں دھوپ تھی کہیں چھاؤں درخت پھول اور پودے دھل دھلا کر صاف ہو گئے تھے۔ کھیت، پگڈنڈیاں، رستے اور باٹ نکھر آئے تھے۔ ہوا بھی صاف اور پاک ہو کر نہائی نہائی سی لگتی تھی۔ سیدو کا دل گدگداہٹ سے بھر گیا، وہ دوڑنے لگا۔

اور جب وہ ریل کی پٹڑی کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ گاؤں کے لڑکے مینہ بھری جوہڑوں اور پوکھروں میں نہا رہے ہیں۔ کچھ بیر بہوٹیاں پکڑنے کی فکر میں تھے، کئی ایک نے پبیاں پکڑنے کے لیے ٹوکریوں کے نیچے دانے ڈال رکھے تھے اور دور ادھر لڑکوں کا ایک ٹولا اپنے ساتھی کا منہ کالا کر کے ڈھول پیٹتے ہوئے شور مچا مچا کر رب سے اور برسات مانگ رہا تھا۔

سیدو نے اپنا چھتر ایک طرف رکھ دیا آسمان پر ایک پتنگ بھی نظر نہ آئی ریل کی

Marfat.com
Marfat.com

پٹڑی کے دوسری طرف تحصیل نور پور میں ابھی پتنگوں کے پیچ شروع نہیں ہوئے تھے۔ سیدو تہمد کس کے جوہڑ میں پھسل گیا۔ دفعتاً اسے دور سے ریل کی کوک سنائی دی، پھر آہستہ آہستہ انجن کی گڑگڑاہٹ قریب آتی گئی، پھر موڑ پر انجن نظر آیا اور گاڑی شوں شوں کرتی سے گزرنے لگی۔ سیدو نے دیکھا گاڑی کے ایک ڈبے سے کوئی رنگین چیز اڑی اور کٹی ہوئی پتنگ کی طرح لہراتی بجلی کے ایک کھمبے سے آکر چپک گئی۔ وہ پانی سے نکل آیا اور قریب آکر اس شے کو بغور دیکھنے لگا، پھر اس نے اپنا چھتر اٹھایا اور دھیرے سے اس شے کو وہاں سے اتار لیا، وہ شے ریشم کی مہین جالی کی بنی ہوئی تھی، اس میں دو تکونے خول تھے اور سروں پر دو لمبے لمبے فیتے، اس نے یہ نئی نکور سی شے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی چنانچہ اس نے سوچا کہ جب تک شاداں میکے واپس نہ آ جائے اس کو چھپا رکھنا چاہیے۔ شاداں جس کا رنگ دھوپ میں چمکتے تانبے ایسا تھا اور جس کے لمبے بال سنہرے تھے اور جس کی موٹی موٹی آنکھیں ڈھلک ڈھلک لشکارے مارتی تھیں اور جس کی پلکیں پوروں برابر تھیں، جو تندرست اور لچکدار تھی۔ جیسے امرود کی ڈالی اور جو بیاہے جانے پر سیدو سے اس طرح بچھڑ گئی تھی جیسے غروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی مسجد کے میناروں سے رخصت ہوتی ہے۔

جب وہ اسے یاد آتی تو اس کے دل پر زور کا ایک گھونسا لگتا جو اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس کا دم گھٹنے لگتا، سانس رک رک جاتی، اور ہردے میں ٹیسیں اٹھتیں۔ ایک ایک کر کے اسے شاداں کی سب باتیں یاد آنے لگتیں۔ ''کیا میرے بال لمبے ہیں سیدو؟'' کبھی کبھی وہ کسی سنسان، خاموش اور اداس دوپہر کو اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں پیار بھر کے پوچھتی۔

''ہاں بہت لمبے ہیں۔'' سیدو بڑے خلوص کے ساتھ ادھر ادھر سے کان پڑی باتیں یاد کر کے کہتا۔ ''لمبے اور سنہرے، جیسے سردیوں کی چاندنی راتیں۔'' اور شاداں یہ سن کر بہت ہی خوش ہوتی تب سیدو کہتا'' اور شاداں تمھاری آنکھیں ایسی ہیں جیسے

Marfat.com
Marfat.com

کالے کبوتروں کا جوڑا۔'' شاداں تب کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔

سیدو کو یہ سب باتیں ایسے ہی یاد تھیں جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ شاداں نے سیدو سے کہہ رکھا تھا کہ جمعرات کے روز نہر پر مت نہانا، گنجے پیر کی بددعا لگے گی۔ سیدو ہر جمعرات کو نہر پر جا کر ضرور نہاتا اور پھر اپنی دھلی دھلی سوکھی کھال اور پانی سے نہائی سرخ سرخ آنکھیں شاداں کو دکھا کر کہتا۔ ''آج میں نہر پر نہایا تھا۔'' دیکھیں تو سہی گنجے پیر کی بددعا لگتی ہے؟'' اس پر شاداں اسے برا بھلا کہتی اور تردد کا اظہار کرتی تو سیدو کو عجیب سی ہمدردی، ایک نرالا لطف محسوس ہوتا۔ شاداں کہتی دھوپ میں نہ کھیلا کرو بخار ہو جائے گا تو سیدو ضرور دوسرے روز دھوپ میں تپتا شاداں کے گھر پانی پینے چلا جاتا۔ ''گلی ڈنڈا کھیل کر آ رہا ہوں جی۔'' اور شاداں جب اس پر کڑھنے لگتی تو سیدو کو جانے کیوں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا۔

اور پھر شاداں نے اس سے ایک بار پوچھا تھا۔ ''بھول تو نہ جاؤ گے سیدو؟'' اور سیدو تب کچھ نہ بولا، بس سر جھکا کے رونے لگا تھا اور جب شاداں چلی گئی تو گھر کی دیواروں سے اسے ہر دم یہی صدا آنے لگی۔ ''بھول تو نہ جاؤ گے سیدو؟، بھول تو نہ جاؤ گے سیدو؟'' جب وہ نہر کی پلیا پر پہنچتا تو پلیا بھی اس سے یہی سوال کرتی، اور جب وہ آگے بڑھ کر کیکروں کی چھاؤں تلے آ جاتا تو کیکروں کی چتکبری چھاؤں بھی اسے چین نہ لینے دیتی۔ تب وہ عاجز آ کر دوڑنے لگتا، دوڑتا چلا جاتا، خوب تیز، خوب تیز، جیسے دور، بہت دور، کھیتوں کو پاٹ کر ٹاہلی کے درختوں کے اس پار، افق کے ادھر غائب ہو جائے گا لیکن ایسے میں اس کا سارا وجود پکار اٹھتا۔ ''بھول تو نہ جاؤ گے؟ بھول تو نہ جاؤ گے؟ بھول تو نہ جاؤ گے؟''

سیدو شاداں کی یاد کا جلتا دیا بن گیا تھا اور اس دیے کی روشنی چاروں اور چھٹک کر ہر شے پر مسلط ہو گئی تھی۔

Marfat.com
Marfat.com

[illegible]

گئیں۔ سو بجنے کا وقت ملنے لگا [illegible]

وہ رہٹ پر پہنچا تو [illegible] ادھر ادھر دیکھا [illegible]

سیدو نے قریب آ کر کنویں میں جھانکا [illegible]

چلی گئی اور کنویں کی کالی گہری گول [illegible] ٹھنڈک اس کا منہ چومنے لگی [illegible] دور

نیچے کنویں کا ٹھہرا پانی چاندی کے تھال کی طرح نظر آ رہا تھا۔ سیدو نے اس چاندی کے

تھال میں اپنی صورت دیکھنی چاہی [illegible] نظر نہ آیا۔

کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر چلتا [illegible]

پیچھے خالی کرتا، وہ سیدھا نہر کی پلیا کی طرف آ نکلا اور پیچھے سے بہتے پانی کو دیکھنے لگا۔ ہر

طرف سکوت اور خاموشی تھی اور قریب ہی کہیں سے جھینگر کی تیز چبھتی ہوئی صدا آ رہی تھی

تروڑ، تروڑ، تروڑ، تروڑ [illegible] سیدو آگے بڑھ [illegible] سے بلند تر آ [illegible] اس نے ادھر

Marfat.com
Marfat.com

درختوں پر نگاہ کی، کیکروں میں سفید سفید دودھیا کانٹے لگے تھے اور پیلے پیلے پھول، ایک فاختہ نے گردن موڑ کے سیدو کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں بولی: ''جاؤ شاداں آتی ہے۔'' سیدو نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور بلا مقصد ادھر ادھر چکر کاٹتا رہا۔ درختوں کے تنوں کے گرد باز و گھما کر جھولتا رہا، یہاں وہاں آوارہ گھوما کیا اور پھر جھجکتا جھینپتا اپنے آپ سے شرماتا شاداں کی گلی کی طرف چلا۔

وہ شاداں کے گھر کے دروازے پر پہنچا تو اس کے پیر من من بھر کے ہو گئے، بڑی دیر تک وہ ٹھٹکا ہوا، گھبرایا سا، باہر چوکھٹ پر کھڑا سوچتا رہا۔ اچانک دروازہ کھلا اور مائی رکھی تنور والی چادر سر پر ڈالے کہیں باہر جانے کو نکلی اور سیدو کو دیکھ کر پکاری۔ ''شاداں دیکھ سیدو آیا ہے۔'' اور پھر سیدو کو کسی کے تیز قدموں کی دھمک سنائی دی جیسے کوئی یکا یک اٹھ دوڑا ہو۔ یہ شاداں تھی جو اب اسے دروازے کی اوٹ سے ادھ چھپی دیکھ رہی تھی۔ ''سیدو......'' شاداں ایک کانپتی تھرتھراتی پکار بن کر بولی۔

''ہاں......'' سیدو کے سینے سے گونجتے گنبد کی سی آواز سنائی دی۔

''سیدو کیا حال ہے؟'' شاداں نے پیپل کی ٹھنڈی چھاؤں بن کر پوچھا۔

''بس ٹھیک ہے۔'' سیدو نے سر جھکائے تھکے مسافر کی طرح جواب دیا، اور ایسے میں شاداں کی کالی کالی بڑی بڑی، ڈگر ڈگر کرتی گھمبیر آنکھیں چھلک اٹھیں۔ اب وہ برسات کی بھیگی رات نظر آنے لگی۔ اس نے سیدو سے گلوگیر میٹھی مدھم آواز میں پوچھا۔ ''سیدو تم مجھے بھولے تو نہیں؟''

''نہیں میں تم کو نہیں بھولا۔'' سیدو نے صبح کے ستارے کی طرح چمک کر جواب دیا۔ تب شاداں خوشی سے کھل کر ایک حسین دعا بن گئی اور سیدو کی روح نے آسمان کے نیلگوں ازلی سکوت کا روپ دھار لیا۔ یکا یک ہوا کا ایک تیز ریلا لہریں لیتا آیا اور گاؤں بھر کے کواڑ بجنے لگے۔ دور دور تک تناور درخت شائیں شائیں مستانہ وار

Marfat.com
Marfat.com

جھومنے لگے اور رنگ برنگی کھیتیاں سرسراتی ہوئی، گاتی ہوئی، جھومتی ہوئی ہملک ہملک کر زمین کا سینہ چومنے لگیں۔

رات کو سیدو بچھونے پر لیٹا تو اس کی آنکھوں سے نیندیں یوں غائب تھیں جیسے کوئی فاختہ دانے کی تلاش میں آلنا چھوڑ گئی ہو، وہ دیر تک چھت کو ٹکٹکی لگا کر دیکھتا، جانے کیا سوچتا رہا، مگر صرف ٹکٹکی باندھے، اداس اور پھر دیر بعد جانے کیوں اسے شدید محرومی کا احساس ہوا۔ یہی احساس پھر تاریکی کی طرح اس کے ہردے میں جاگا اور اس کی کڑی ٹیسوں سے وہ بلبلا اٹھا اس کی آنکھوں سے جھرنے پھوٹ نکلے اور پھر سیدو کو پتا نہ چلا کہ کب اس کی نیند کا پنچھی سپنوں کے دانے چگ کر ہولے سے اس کی آنکھوں میں آ بیٹھا۔

صبح اس نے وہ شے چپکے سے صندوق سے نکالی اسے پلو کے تلے چھپایا اور شاداں کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے کھل کر سامنے آتے ہی شاداں کو ایک عجیب وغریب جھٹکا لگا، جیسے سوتے میں اچانک چھت سے گر پڑی ہو۔ پھر سیدو نے دیکھا اس کا رنگ ایک دم فق ہو گیا، جیسے چوری کرتے میں پکڑی جائے۔ اس کی انگلیوں کی پوریں تھرتھرا رہی تھیں، آنکھیں جھکی جا رہی تھیں، سانس تیز تیز چلنے لگا اور زبان گنگ ہو گئی تھی، اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا، سیدو سمجھا شاید اس کی طبیعت خراب ہو گئی ہے، وہ بدستور انجانے پن سے اس کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ شاداں نے ایک بار اس کی طرف چور نظروں سے دیکھا، پھر جانے کیوں اسے یکایک غصہ آ گیا، وہ بالکل ہی اجنبی بن گئی اور سیدو سے پوچھا ''کیا تمھیں سچ مچ نہیں معلوم یہ کیا ہے؟''

''نہیں مولا کی قسم نہیں معلوم۔'' سیدو بوکھلا کر جلدی سے بولا اور شاداں کو ہنسی آ گئی۔ اس نے لاج بھری ہنسی کے ساتھ وہ شے جلدی سے اپنی پیٹھ پیچھے چھپا لی اور پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر ہنسنا شروع کر دیا۔ اس کی یہ رنگ برنگی ادائیں اور انوکھے چالے سیدو کی سمجھ میں بالکل نہ آئے۔

Marfat.com
Marfat.com

''مولاقسم نہیں معلوم...... ہہ ہہ ہہ، ہاہاہا، ہوہوہو۔'' اب وہ سیدو کی مولاقسم والی ادا پر ہنستی چلی جارہی تھی، سیدو حیران تھا، پریشان تھا اور بے انتہا شرمندہ، آخر وہ اتنا بے وقوف کیوں تھا؟ اس نے سوچا اور دل ہی دل میں پشیمان ہونے لگا۔

''اچھا تو بیٹا ...... مولاقسم۔'' وہ مارے ہنسی کے سرخ ہو کر بولی۔ ''تمھیں نہیں معلوم...... نہیں معلوم...... نہیں معلوم ...... ہہ ہہ ہہ'' وہ ہنستی ہی چلی گئی، ہنسی کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سیدو کا جی چاہا وہ وہاں سے بھاگ جائے، اس مقصد سے وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی لیکن شاداں نے فوراً اس کی کلائی پکڑ لی۔ وہ حیران ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا، شاداں نے کہا: ''ایسی بھولی صورت نہ بناؤ الوؤں جیسی ...... مجھے ہنسی آتی ہے۔'' اس کا یہ رنگ دیکھ کر وہ ٹپٹا گیا اور بوکھلا کر رونے لگا۔

''تو واقعی تمھیں نہیں معلوم؟'' شاداں نے ایک بار پھر رازداری سے پوچھا۔

''نہیں مولاقسم نہیں معلوم۔'' سیدو نے دونوں ہاتھوں سے ناک اور آنکھیں پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

''تو پھر جاؤ دفعہ ہو جاؤ آئندہ میرے سامنے اس چیز کا نام نہ لینا۔''

''تو پھر میری چیز واپس لوٹا دو۔'' سیدو نے بگڑ کر کہا۔

''یہ اب تمھیں نہیں ملے گی۔'' شاداں نے اس کے ساتھ ویسی ہی ضد کر کے کہا۔ ''اور اب اگر تم نے پھر اس کا نام لیا تو مار پڑے گی۔''

''تو پھر میں جاتا ہوں۔'' سیدو نے گویا برسوں کی رفاقت کو لات مار کے اپنا رخ دروازے کی طرف پھیر کر کہا۔

''چلے جاؤ!'' شاداں اسے ایک زور کی چٹکی بھر کے بولی۔ وہ تلملا اٹھا اور غصے سے پھنکتا بہت ہی رنجیدہ ہو کر باہر چلا آیا۔ اس کا سارا بدن غصے کے مارے جل رہا تھا اور رنج کے مارے اس کا حلق درد کرنے لگا تھا۔ اس کے جی میں آئی کہ وہ شاداں

Marfat.com
Marfat.com

سے کہہ دے کہ اس کا میاں کا اکلوتا مٹی کا لوٹا ہے۔ آخ تھو، اور پھر بھاگتا ہوا اپنے گھر چلا آئے۔ یہ سوچ کر وہ پلٹا اور گلی سے مڑ کر واپس دروازے پر آ گیا، لیکن شاداں نے اندر سے کنڈی لگالی تھی۔ وہ چکر لگا کر گھر کے پچھواڑے آ گیا اور اس درخت پر چڑھنے لگا جہاں سے وہ موکھے کے اندر سے جھانک کر وہ پتھر پھینک ڈالنا چاہتا تھا۔ پیڑ پر چڑھ کر اس نے ایک مضبوط ٹہنے کو پکڑا اور موکھے کی طرف سے جھک کر اندر جھانکا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہوش اڑ گئے۔ سیدو کو اپنے سامنے ایک شفاف جھیل نظر آئی جس کے چاروں طرف کنول ہی کنول بکھرے تھے۔ شاداں کا وہ روپ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا، اس کے انگ انگ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جیسے صبح کا چڑھتا سورج جیسے رات کے سمے کا الاؤ، ایسے لگتا تھا کہ اس کا خم دار جسم تیر کی طرح زمین سے اوپر اڑ جانے کو ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے آپ کو اس ریشمی جالی کی نکور مہین مہین سی شے میں خوب زور سے کس لیا۔ سیدو جہاں کا تہاں جم کے رہ گیا۔ جیسے کسی سانپ نے ڈس لیا ہو اور تن میں نام کی سکت باقی نہ رہی ہو۔ اسے اپنے ہاتھ پیروں میں سے جان نکلتی سی محسوس ہوئی، اس کا دل زور سے تڑپ کر ڈوبنے لگا اور کنپٹیاں بری طرح دھڑکنے لگیں۔ سیدو کو اپنی سانس میں آگ کے شعلوں کی لپٹ کا احساس ہونے لگا، اس کے روئیں روئیں سے پسینے کی پھوار پھوٹ پڑی۔ اس کی آنکھوں کے آگے بالکل اندھیرا چھا گیا، ہائے مجھے یہ کیا ہو گیا ہے؟ سیدو نے سخت گھبرا کے سوچا اور پھر اسے یوں لگا جیسے وہ کسی پانی بھری پوکھر میں ڈوبتا چلا جا رہا ہے نیچے نیچے اور نیچے۔ اس کا سانس گھٹنے لگا، وہ گہرائی ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ وہ پاتال کی لا انتہا گہرائیوں میں چلا جا رہا تھا اور پھر ایک زبردست دھچکے سے سیدو کی آنکھوں سے یہ سارا منظر غائب ہو گیا۔ اسے چکر آ رہے تھے۔ اس نے سر کو دائیں بائیں جھٹکا، اور

Marfat.com
Marfat.com

دیکھا کہ وہ زمین پر گر پڑا ہے۔ اس کے گھٹنوں پر اور کہنیوں پر کھرونچیں لگ گئی تھیں۔ وہ اٹھا اور تیر کی سی تیزی سے اپنے گھر کی طرف نکل آیا۔ گھر آ کر اس نے دو کٹورے پانی کے پیئے اور ہانپتا ہوا کھاٹ پر جالیٹا۔ وہ بہت ہی ماندہ ہو رہا تھا، بے حد تھکا ہوا تھا، جیسے رگ رگ سے کسی نے لہو نچوڑ لیا ہو۔ اس کا رواں رواں سہما ہوا تھا، اس کی رگوں میں سنسنی کی لہریں ابھی پوری طرح سے مٹی نہ تھیں۔

سیدو اس رات معمول سے پہلے ہی سو گیا۔

اس نے جانے کیا خواب دیکھا تھا جو صبح یاد کرنے پر بھی اسے یاد نہ آیا۔ اس نے اٹھ کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور باہر نکل آیا، چاروں اور ساون کی نکھری دھوپ پھیلی تھی اور برسات سے دھلے دھلے، اجلے اجلے سائے تھرک رہے تھے۔ مٹی کی گیلی دیواروں پر اور کھیت کی منڈیروں پر رنگ برنگے پرندے پھدک رہے تھے اور آسمان پر سفید، کالے بادل اپنی پرچھائیوں کے پنکھ پھیلائے اڑے چلے جا رہے تھے ایسے میں دفعتاً اسے موکھے سے جھانکنے والی بات یاد آ گئی، اس کی کمر میں پھر موگری سی لگی اور اس کا سانس بیٹھنے لگا۔ لیکن اس نے محسوس کیا کہ اس تصور کے ساتھ ہی جیسے دل میں کوئی گلاب کھل اٹھا ہے، اور اس کی مہک اس کی روح میں پھیل رہی ہے۔

اس روز سیدو نے جنگل سے بہت سارے پھول توڑے اور انھیں جھولی میں بھر کے موکھے والے پیڑ پر چڑھ گیا۔

دوپہر کا وقت تھا اور شاداں سو رہی تھی، پھولوں کی برکھا سے وہ گھبرا کر جاگ پڑی۔ سیدو نے آہستہ سے کہا: ''شا آ دا آ ن'' اور جب شاداں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ سو ارمانوں سے مسکرا دیا۔

❀❀❀

Marfat.com
Marfat.com

# برسات

## (۱)

بدھن وال کی زمین سے پانی اب کی بار یوں غائب ہوا جیسے برے سمے میں دلوں سے وفا اور آنکھوں سے مہر اٹھ جاتی ہے۔ علاقے بھر میں نہ سونے کا مول رہا ہے نہ چاندی کا، مول اب اگر کسی شے کا باقی ہے تو صرف پانی کا۔ پانی کی طلب میں بدھن وال کے ہر انسان کی خواہش پیاس بن چکی ہے اور علاقے میں جہاں جہاں بھی پانی کا داغ رہ گیا ہے۔ اس زیارت گاہ پر دن رات کے پہرے قائم ہیں۔

آسمان سے آگ برس رہی ہے، چاروں اور تنہائی، اداسی اور ویرانی کا سماں ہے۔ دھوپ یوں چمچما رہی ہے کہ نگاہ کام نہ کرے اور ہر چیز کانپتی نظر آئے۔ کھیتوں میں اکا دکا کیکر، بیری اور ٹاہلی کے پیڑ ساکت کھڑے برسات کی دعا مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔

سوہاں ندی سوکھی پڑی ہے اور بدھن وال کی زمینوں کو پانی دینے والی جھالریں اجڑ گئی ہیں سارا گاؤں مویشیوں کی رنبھنے کی فریاد سے گونج رہا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

شیخ رحمت کی چوپال میں بڑ کے گھنے پیڑ تلے منڈلی جمی ہے اور چرچا پانی کے قحط کا ہے۔

''زمین سوہے لوہے کی طرح گرم ہو رہی ہے رحمت لالہ اور آسمان جلتا ہوا کوئلہ بن گیا ہے۔'' قادر خان لوہار نے بازو پر بندھے تعویز کو کستے ہوئے کہا اور حقے کی نڑ کھری چارپائی پر لیٹے مہندی رنگے بالوں والے بڈھے شیخ رحمت کی طرف پھیر دی۔ شیخ رحمت نے بے دلی سے ایک کش لگایا اور پھر نا آسودگی سے منہ بنا کر حرماں بھرے لہجے میں بولا۔ ''گرمی تماکو کا سارا نشہ پی گئی، حقے پر آگ دھرنے کی ضرورت بھی نہیں اب تو۔''

نتھا کمہار بول اٹھا۔ ''اجی اس دھوپ میں تو کچی اینٹیں پکا لیتا شیخ جی، پر کیا کروں گارے کے لیے پانی نہیں ملتا۔'' یہ کہتے ہوئے علاقے بھر کے کمہاروں کے استاد نتھے نے حقہ غفورے ترکھان کی جانب سرکا دیا۔ غفورے ترکھان نے پہلے چلم اتاری پھونک سے راکھ جھاڑی، پھر نیچے کو دبا کر نڑ میں پھونک بھر کر تھوڑا سا پانی گرا دیا اور پھر حقہ یوں تھام لیا کہ معلوم پڑے حقہ غفورے ترکھان ہی کا ہے۔ پھر اس نے عبرت اور خوفِ خدا سے بھرپور لہجے میں کہنا شروع کیا۔ ''جنگلوں کے سوکھے سرکنڈوں میں آپوں آپ آگ لگ رہی ہے، سینکڑوں من لکڑی جل کر راکھ ہوگئی، اب آپ ہی بتایئے شیخ جی، آپ کے نئے مکان کی کھڑکیاں کیسے بنیں گی؟ لکڑی کا بھاؤ دگنا بلکہ تگنا، نہیں چار گنا ہو گیا ہو گا، خدا رحم کرے۔'' اتنے میں محمد صدیق ارائیں نے آ کر حاضرین کو بتایا کہ شیر محمد کمالیاں والے کی گھوڑی ''جٹی'' رسہ تڑا گئی۔

''چچ چچ چچ ....'' جھورے ماچھی نے غفورے کے ہاتھ سے حقہ لیتے ہوئے کہا۔ ''پانی نہ ملے تو انسان تو انسان کیا جناوروں میں بھی وفا نہیں رہتی۔'' یہ کہہ کر جانے وہ کس سوچ میں ڈوب گیا۔ جھورا ماچھی بڑا رقیق القلب انسان تھا۔ کسی کو دکھ میں

Marfat.com
Marfat.com

ریجھتے تو روتے تھے۔ جب ہنستے تو ان کے دونوں گالوں میں گڑھے پڑ جاتے تھے اور وہ مٹی
سے بنی کسی مورتی جیسے لگتے تھے۔ ان کی پہچان یہ تھی کہ جب بھی گاؤں کی
مصیبت آتی اور لوگ ہاتھ جوڑ کر ان کے پاس پہنچتے تو پیروں سے چھو کر دعا
سوہن ندی کے پار کا دیا کرتے۔ جھورے بھی کہتا ہے تب تو ہم بچے کے ہاتھوں
میں دیتے تو وہ اسے چومتے اور پیچھے ہو کر "عشق خدا" کی صدا بلند کرتے۔" پھر
میں نور دین جو دوسرے گاؤں کا پیر تھا کہ میں پیدا ہوتے ہی آیا اور وہ بھی
ہو کر دیا کہ اس کی وہی بیٹوں کی جوڑی میں سے ہر کسی کا بچہ کا ہے مر گیا۔

"خدا خیر، خدا خیر۔" شیخ رحمت کے پرانے نمک خوار مزارع صدیقے
نے کلمہ پڑھ کر انگلیاں چوم چوم کر آنکھوں کو لگاتے ہوئے کہا۔ "ابھی کل ہی مائی جنید
اپنے گھر چلی گئی ہے۔"

"شیرے کا حال پتا ہو رہا ہے۔" محمد صدیق ارائیں منڈی میں پیروں کے
بل بیٹھ کر تہبند کے سروں کو گود میں تہہ کر کے آگے کو سرک کر بولا۔ "گھوڑی کیا تھی اللہ کی
شان تھی۔"

"اور شیرے کا مان تھی۔" جھورے نے لقمہ دیا۔

"سچ مچ کی جنی تھی جی شیخ جی۔" غفور اترھان دوبارہ حقہ تھام کر کہنے لگا۔

"دھرتی اس کی چال پر رانجھے کے دل کی طرح دھڑکنے لگتی تھی۔ قسم ہے
مولا نے نامداری۔ گاؤں کو ویران کر گئی سالی۔"

"چاروں اور ویرانی ہی ویرانی ہے شیخ جی۔ اب کے برسات نہیں ہوئے
گی۔"

"کفر کا کلمہ مت نکال بھائی۔ اللہ بڑا غفور الرحیم ہے۔"

شمشیر ارے گیا آنکھوں میں آنسو بھرے اپنی پلوار جیسی وہ گاؤں کے نتھوں

Marfat.com
Marfat.com

بیچ گزرنے والی سڑک پر لے آیا اور بولا: ''جا اب چلی جا نیلی جہاں جی چاہے نکل جا، اب کے برسات نہیں ہونے کی، تو پیاسی مر جائے گی نیلو۔'' لیکن نیلی، بالشت بھر زبان نکال کر بے بس اور مایوس آنکھوں سے شمشیرے کی طرف دیکھتی اور پھر زور کی دہائی دے کر اس کا بدن چاٹنے لگتی۔

شیخ سجارا اپنے گھر کی دھریک تلے بہت ہی اداس اور مغموم بیٹھا ہے، ایسے لگتا ہے کہ ابھی پھوٹ پھوٹ کر رو دے گا، وہ بڑے محرومانہ انداز میں اپنے ننگے بدن پر ہاتھ پھیرتا، پھر اپنی سفید داڑھی کھجلاتا اور پھر جانے آسمانوں میں کیا دیکھنے لگتا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی بی بی سے بولا: ''لے دیکھ لے بھاگوان، تو کہتی تھی کہ کسی سے بچہ لے کر پال لیں، کبوتر تک تو اس زمانے میں دغا دے جاتے ہیں۔'' شیخ سجارے کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اس نے کبوتر پال رکھے تھے اور ان سے جی بہلاتا تھا۔ نیکی اور دینداری میں شیخ سجارا مولوی محمد عمر قاضی کے بعد سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا، شیخ سجارا پانچ وقت کا پکا نمازی تھا لیکن اس سے پختہ تر کبوتر باز، کبوتر اس کا تکیہ کلام تھا۔ گاؤں کے نوجوانوں کو اکثر نصیحت کرتا۔ ''صبح سویرے اٹھا کرو کم بختو منہ اندھیرے اور عبادت خدا کی کیا کرو، کبوتروں کی طرح۔'' اور اگر کسی کو خوش دیکھتا تو کہتا۔ ''کس طرح گٹک رہا ہے کبوتر کی طرح۔'' ابھی کچھ دیر پہلے وہ اپنی گھر والی سے کہہ رہا تھا کہ اگر برسات نہ ہوئی تو سب لوگ بدھن وال سے کبوتروں کی طرح اڑ جائیں گے۔ آس پاس کے دیہات کے لوگ جو کبھی کبھی اس سے پانی دم کروانے آتے، اسے بابا کبوتروں والا کہتے تھے۔

ملنگ سیدن شاہ بودی والے کے ڈیرے پر گوندنی کے پیڑوں سے سر نکالتے ہوئے تکونے علم بے حرکت اور ساکن ہیں۔ گویا اس دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہے ہوں۔ گوندنی کے ایک پیڑ سے بندھا ایک نیولا اپنا زخم ایسا منہ کھولے ہانپ رہا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

ملنگ کے ڈیرے پر سردائی کی خوشبو کی بجائے قبروں پر پڑے باسی پھولوں کی باس صبح شام جلنے والی ہرمل کی بو کے ساتھ گھل مل کر رہی ہے۔ فقیرا کانا جسے گاؤں کے لوگوں نے ''حرامی'' کا لقب دے رکھا تھا گھوٹو ونالی کونڈی میں ''چھنن چھنن'' ہلا کر کہنے لگا۔ ''ہائے ملنگا کیا ٹھنڈی میٹھی آواز ہے، چھن من چھن من، ہائے مولا مرے پانی نہ ہوا'' فقیرا ایک آنکھ سے کانا اور ایک پیر سے لنگڑا ہے اور لوگ اسے حرامی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بچپن ہی سے بہت شریر یعنی حرامی ہے۔ وہ خفیہ آبکاری کا کام اور نشہ آور چیزوں کی خرید و فروخت کرتا اور شراب کے ساتھ تیتر کا کچا گوشت نمک لگا کر کھاتا اس نے تجربے کی خاطر حرام حلال ہر جانور اور پرندے کا گوشت چکھا ہے اور ان کے گوشت کی تاثیروں کے راز سمجھتا اور آزما جانتا ہے۔ فقیرے نے شراب خود کشید میں بوٹیاں جھونک جھونک کر زندگی کے بڑے عجیب تجربے کیے ہیں اور اس لحاظ سے ''حرامی'' کا لقب اسے ایسے ہی لگتا ہے جیسے کسی پہلوان کو بچے کا پاجامہ پہنا دیا گیا ہو۔

## (۲)

ہوا ٹھہر گئی، درختوں کے پتوں تک میں ہل جل باقی نہ رہی ہر طرف امس اور گھٹن پھیل گئی اور چاروں اور گہرا سناٹا چھا گیا۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے خاموشی آواز بن کر کچھ کہنا چاہتی ہے، جیسے آسمان کی جانب سے کوئی ندا آنے کو ہے اور شجر حجر، چرند پرند اور سارا ماحول شدید انتظار کے عالم میں ہمہ تن گوش ہیں۔

اور پھر یکایک اس خاموشی کے سینے میں تیر سا ڈوبا اور مولوی محمد عمر قاضی کی خوش الحان اذان سناٹے کے اس اداس اور ویران مزار پر پھولوں کی چادر کی طرح چھا گئی۔

بدھن والی کی اس کڑی دوپہر میں دیہات والوں نے اذان سنی اور جب کلمہ پڑھ پڑھ کے انگلیاں چومیں اور آنکھوں کو لگائیں تو انھیں احساس ہوا کہ ان کی آنکھیں

Marfat.com
Marfat.com

ساون کے بادلوں کی طرح بھری ہوئی ہیں۔

مولوی محمد عمر قاضی کی اذان جیسے حوض کوثر میں ڈھلی ہے، آج اذان کی آواز میں عجب دلگیری ہے، کمال کا تقدس ہے، ایک یاس، ایک مجبوری، ایک حسرت جیسے آواز کا روپ دھار کے آ گئی ہے اور مولوی صاحب کا دل جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر آوازوں کی لہروں میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ مولوی محمد عمر قاضی کی اذان فلک کا سینہ شق کر دے گی اور بدھن وال کے باسیوں کو سامنے خداوند لایزال کا جلوہ نظر آنے لگے گا۔

بدھن وال کی تپتی زمین پر بے شمار آنسو گر رہے ہیں اور ہالی کھڑے سوچ رہے ہیں کہ یہ آنسو ہیں یا ان کے دل کی آخری فریاد لہو بن کر ان کی آنکھوں سے ٹپک پڑی ہے۔

ابھی مولوی محمد عمر قاضی کی اذان کی گونج بھی مٹنے نہ پائی تھی کہ اہل دیہات نے افق کی وہ گولائی ماند پڑتے دیکھی جو ابھی تک خنجر آبدار کی طرح چمک رہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ماحول دھندلا گیا، دھوپ ماند پڑتی چلی گئی، پھر آہستہ آہستہ درختوں نے آگے پیچھے جھولنا شروع کر دیا اور پھر ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا منہ پر مٹی لگائے بدھن وال میں اس طرح داخل ہوا جیسے کوئی رستہ بھولا بالک شام کو گھر آ جائے۔ پھر گاؤں بھر کے پیڑ شائیں شائیں کرنے لگے، آندھی چلی، بادل گھر آئے اور بجلی یوں کڑکی کہ کچے گھروں کی دیواریں تھرتھرا گئیں۔ تولہ تولہ بھر کے تیکے گرنے شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے تل دھار برسات کا سماں بندھ گیا۔ ایسے میں گاؤں کے بوڑھے ڈھولیے مست علی کی ڈھولکی میں کھوئی لچکیلی ڈگی کی ظالم چوٹ سے تھرا اٹھی۔ ''تاک دھنا دھن، تاک دھنا دھن، تاک ...'' گاؤں میں شور اٹھا۔ ''ہلائی شیرا'' اور بدھن وال میں ایک مجذوبانہ سرمستی کا طوفان در آیا۔ ''بلے بلے۔''

Marfat.com
Marfat.com

''ہرر، ررا'' بدھن وال سے بچے بوڑھے، جوان چل چھیڑیاں لے لے کے ناچنے لگے۔ مست علی مجذوبانہ انداز میں چلایا۔

''پانی پانی پانی
پانی یار بے جانی
پانی باجھ ہنیرا
پانی نال سویرا
پانی میرا نہ تیرا
پانی مالک رب دا
رجھے بھکے سب دا

بولو

''پانی رحمت پروردگار دی'' اور سب لوگ گلا پھاڑ کے چلائے۔ ''پانی رحمت پروردگار دی۔''

درخت اور پودے زمردی مورتیں بن کر پھوہار میں مست جھومنے لگے، مویشی باڑوں سے نکل آئے اور مینہ کے پانی میں اپنی کھالیں بھگو کر بڑے آنند سے طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگے۔ آسمان کی طرف منہ کر کے پانی چاٹنے لگے اور برسات کی ٹھنڈکیاں محسوس کرنے کے لیے کانوں کو دونے بنا بنا کر تھوتھنیوں کو اوپر کر کے پانی کی میٹھی دھاروں کو آنکھوں پر لینے لگے۔

برسات کو جب سارا دن گزر گیا اور رات ہونے کو آئی تو گاؤں کے ایک بڈھے کریمے کھنڈسار نے دوسرے بڈھے حاجی رمضان سے کہا۔ ''رمضانے یار یہ سب مولوی محمد عمر قاضی کی کرامت ہے۔ جب اذان دے رہا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے تھے، جیسے اب مینہ برس رہا ہے بالکل اسی طرح۔''

Marfat.com
Marfat.com

''ہاں دوستا'' حاجی رمضانے نے کہا۔''میں نے بھی یہی دیکھا تھا، مولوی کے دل نے آسمان پر چوٹ ماری ہے۔''

رات بھر تل دھار برسات ہوتی رہی، بادل کی گرج، بجلی کے چمکاروں اور چھاجوں پانی گرنے کی متواتر آواز اور رت جگا منانے والی مٹیاروں کی ڈھولک اور ساونیوں نے گاؤں بھر کو سونے نہ دیا۔

صبح گاؤں والوں نے دیکھا، سوہاں ندی میں قیامت آئی ہے۔ پہاڑ ایسی لہریں آسمان کی طرف شعلوں کی طرح لپکتیں اور دور تک شور مچاتی دندناتی ایک دوجے کا تعاقب کرتی نظر آتیں۔ ندی کا پاٹ پھیل کر نظر کی حد کو توڑ نکلا ہے اور یوں لگتا ہے کہ سوہاں ندی کا چھور اب نہیں ملنے کا۔

جھڑیاں لگ لگ کر ٹوٹتی رہیں اور ٹوٹ ٹوٹ کر لگتیں رہیں اور مینہ اس طرح برس گیا کہ ہالی کے دل کی ہر پیاس بجھ گئی۔

(۳)

اور پھر ایک روز صبح کی روشنی چھٹکی تو گاؤں والوں نے دیکھا کہ پیڑ اور پودے زمرد کی خوب صورت مورتیاں بنے کھڑے ہیں، چاروں اور ٹاہلیوں اور کیکروں پر، مسیت کے لمبے میناروں پر اور مٹی کی سوندھی خوشبو دیتے گھروندوں پر، اور میدانوں میں، صاف نکھری ہوئی چاندنی کی طرح مہین مہین دھوپ پھیلی ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور آسمان کی نیلی جھیل میں سفید بادل راج ہنس کی طرح تیرتے چلے جا رہے ہیں۔ اور گلا میں، پپیاں، نیل کنٹھ، ٹیڑھیاں، کھٹ بڑھئی ہوا کی پینگ پر جھولتے نیچے اوپر، اوپر نیچے ڈولتے، خوشی میں چہکاریاں لگاتے، اڑانیں بھرتے پھرتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں مدھ چوس رہی ہیں، بھنورے بھنبھنا رہے ہیں اور زمین پر چیونٹیوں کی قطاریں آبادیاں بدل رہی ہیں۔ پانی کے گڑھوں کے گرداگرد اور کچی دیواروں کی

Marfat.com
Marfat.com

بنیادوں سے دب اور کھبل گھاس پھوٹ پڑی ہے۔ آکاس بیل بڑھ بڑھ کر درختوں کے گلے کا ہار ہوئی جاتی ہے، گلو نے پھیل کر ایک گھر کو دوسرے گھر سے ملا دیا ہے اور گاؤں سے باہر خانہ بدوشوں کے ٹوٹے جھڑی بونیوں میں جنگلی، ہرن، لومڑی، پچھ کنڈی، بھنگڑہ اور چندن اکھیڑ کر جھولوں میں بھرتے نظر آتے ہیں۔

گاؤں سے باہر ریتلے میدان میں کبڈی ہو رہی ہے اور جوان بجلیاں بن بن کر ایک دوجے کی جان کا آزار ہوئے جاتے ہیں۔ باقی اپنے اوزار درست کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور کئی ایک اپنے کچے گھروں کی گری دیواریں بنا رہے ہیں۔

شیر المالیاں والا صبح صادق پورے چھ کوس کا فاصلہ طے کر کے شیر سے رسہ گیر کے مجرمانہ رسوخ سے بھونگہ طے کر کے اپنی گھوڑی واپس لے آیا ہے۔ سرخ مخمل کی موتیوں والی صدری پہنے سبز طرے دار پگڑی سر پر جمائے چمکتا ہوا نیزہ ہاتھ میں لیے اور مونچھوں پر کڑوے تیل کی لات لگائے بڑی آن بان سے نکلا ہے۔ مارے گھمنڈ کے اس کا رنگ شنگرف ہو رہا ہے۔ وہ "جٹی" کی چالیں جانچ رہا ہے کہ کہیں بری نہ ہو گئی ہو۔ گھوڑی اسے کبھی دلکی، کبھی شہانہ اور کبھی سرپٹ دوڑ کر اپنی اصالت دکھا رہی ہے۔

شیخ سجارا گھر میں کالکوں کے درمیان کھڑا آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنائے اپنے نقابی، دبازے اور جالداری کبوتروں کو آسمان میں تارا ہوتے دیکھ رہا ہے۔ وفور انبساط اور ارتکاز توجہ سے وہ ہمہ تن نگاہ بنا آسمان کی طرف چلا گیا ہے۔ بلندی سے ایک زرد چشم قلابازیاں کھاتے ہوئے "تاق، تاق، تاق" دونوں پروں سے تالیاں بجاتا نیچے آ رہا ہے اور شیخ سجارا اس کی اس ادا پر قربان ہوا جا رہا ہے۔ مٹا جاتا ہے، فنا ہونے کو ہے۔

گوندنی کے پیڑوں کی چھاؤں میں ملک سیدن شاہ اپنے چیلوں سے کہہ رہا ہے۔ "یار ذرا دیکھو تو سوہاں کا لہراؤ جیسے سردائی کی ایک نہر چھلچھلا رہی ہو۔" یہ کہہ کر اس

Marfat.com
Marfat.com

نے بسم اللہ پڑھی اور شڑاق شڑاق۔'' سلفے کے دموڑے کھینچنے لگا۔

اور آنکھیں جب سرخ مرچ کی طرح لال ہو گئیں تو زور کا نعرہ لگایا۔

''مستانہ رے مستانہ نہ تو اپنا، نہ بیگانہ، سلفے کا دیوانہ۔''

''ہو رے ہو ہو ہو ہو''

شیخ رحمت علی کی چوپال میں خوب گہما گہمی ہے۔ دوست، عزیز اور رشتہ دار دور دور سے ملنے آئے ہیں۔ باہر بیل گاڑیاں اور گھوڑیاں کھڑی ہیں۔ سازندے اور گائیک منڈلی سجائے ساز درست کرنے میں مشغول ہیں۔ مہندی رنگی داڑھی اور مہندی رنگے بالوں والا شیخ رحمت جس کے پاس گاؤں میں سب سے زیادہ زمین اور سب سے زیادہ جوان لڑکے اور سب سے زیادہ بیویاں ہیں، ایک ہاتھ کو سر سے سہارا دیئے دوسرے ہاتھ میں حقہ تھامے بولا: ''یار و مولی کی دعا سے کپاس تو اللہ کی شان ہو رہی ہے۔'' شیخ رحمت کے سب سے بڑے لڑکے خیر محمد نے لقمہ دیا۔ ''اور بابا ہمارے آڑو بھی۔''

''ہاں'' شیخ رحمت بڑے اطمینان سے دھوئیں کا ایک بڑا بھبکا چھوڑ کے بولا۔ ''اب کے گڑ بھی بہت ہوگا... صدقے جاواں اس کی رحمت کے۔'' اور یہ کہہ کر اس نے انگشت شہادت نیلی چھتری کی طرف اٹھا دی اور حقہ زمین پر اکڑوں بیٹھے ہوئے غفورے کی طرف پھیر دیا۔

''اور شیخ جی...'' غفورے ترکھان نے خاندانی خدمت گاروں کا سا انداز اختیار کر کے کہا۔ ''اب کے مونگ پھلی بھی، کیا لو واں لو واں رنگ لائی ہے...... وہ واہ، وہ واہ، وہ واہ......'' اس کے ساتھ ہی حقہ لے کر اس نے دھوئیں کے مرغولے چھوڑنے شروع کر دیے۔ کوئی یہ نہ جان پایا کہ غفورا صدیقے کے نئے تمباکو کی داد دے رہا ہے یا رحمت پروردگار پر سر دھن رہا ہے۔ یا شیخ رحمت کی فصلوں کی شادابی سے خوش ہو رہا

Marfat.com
Marfat.com

ہے۔ حقہ رحیمے کو دے کر وہ پھر بولا ''اب سے برس ملاقے میں کماد بھی اچھا ہوگا اور دھان بھی سیلاب پرمل، بنسراج، مشکن اور بیلی چاولوں سے تو پہاڑ لگ جائیں گے۔''

''ہاں ٹھیک کہتا ہے تو۔'' شیخ رحمت بولا۔ ''تیری جوار کا کیا حال ہے بے سلطانے؟''

''بوٹا بوٹا آپ کے جان و مال و دعائیں دے رہا ہے شیخ جی۔''

اب جھورے ماچھی نے حقہ ہاتھ میں لیا اور ایک کش لگا کر بولا۔ ''جال درست کر لیا ہے، اب مچھیاں سوہان سے اس طرح نکلیں گی جس طرح ماں کے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔''

ایسے میں اکتارے والے نے ''تنن، تنن، تنن'' سے سب کو متوجہ کرتے ہوئے حاضرین مجلس سے پوچھا۔ ''کی سنائیے وڈی قسمتاں والیاں نوں دوہڑا، بیت، کافی، زخمہ، سویا، بہت، کنڈلی، پوبرکا''

دوسرا کانگ پہلے کو لقمہ دیتے ہوئے بولا ''ڈھولا، ماہیا، بالو، جندڑی، ونگاں، چھلا، ونا، ہمیسری، پنوں، رانجھا، پے نامہ، نعت، منقبت'' شیخ رحمت نے جذبے سے بھرپور آواز میں کہا ''میرے مولا کی رحمت کے ترانے گاؤ۔''

## (۴)

جمعہ کے دن اہل دیہات کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے گھر سے مسجد کی طرف جاتے ہوئے، مولوی محمد عمر قاضی کے ہاتھ پر جب پانی کا ایک قطرہ گرا تو انھوں نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور داڑھی پر ہاتھ پھیر کے بڑے اطمینان قلب کے ساتھ زیر لب الحمدللہ کہا۔ ان کی آنکھوں سے ایک عجیب و غریب نور برس رہا ہے۔ چہرے پر شکر، طمانیت، تقدس اور پاکیزگی کے احساسات و جذبات نمایاں ہیں۔ وہ انسان نہیں کوئی آسمانی مخلوق نظر آ رہے ہیں ان کے ہاتھ میں چاندی کی موٹھ والا

Marfat.com
Marfat.com

بھاری عصا ہے جوان کے پیر و مرشد قاضی عبدالودود داؤدی کی نشانی ہے۔ مولوی محمد عمر قاضی کو اس عصا پر اتنا ہی اعتماد ہے جتنا کسی بوڑھے انسان کو اپنے تابعدار بیٹے پر ہو سکتا ہے۔

مولوی محمد عمر قاضی خدا کے نام کا وظیفہ کرتے ہوئے، سنگ یشب کی تسبیح ہاتھ میں لیے، دانے پر دانہ گراتے اور قدموں کے آہنگ پر عصا ٹکائے چلے جا رہے تھے کہ معاً انھیں احساس ہوا کہ گھروں کی کھڑکیوں، روزنوں اور دروازوں کی اوٹ سے گاؤں کی عورتیں اور بچے بالے بڑے احترام، یقین اور اعتقاد کے ساتھ انھیں دیکھ رہے ہیں۔ مولوی صاحب اپنی شرعی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر، نظریں نیچے کیے مجوبانہ مسکرانے لگے انھیں یوں لگا کہ ان کے ہاتھ میں محترم مرشد کا بخشا ہوا عصا بھی ایک مہربان دوست کی طرح مسکرا رہا ہے اور سنگ یشب کی تسبیح کھلکھلا کر ہنس پڑی ہے۔

شیخ رحمت کی چوپال سے گزر کر اور مائی جنتو کے تندور پر سے دائیں ہاتھ کو ہوتے ہوئے مولوی صاحب مسجد والی گلی میں پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ شمشیرا رسہ گیر پگڑی گلے میں ڈالے، سر جھکائے اور ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا ہے۔

''مولبی جی حجور ...... '' اور مولوی صاحب گھن گرج سے چنگھاڑے ''ملعون''

''حجور میری بھی بخشش ہو جائے۔'' شمشیرا ہاتھ جوڑے بلک بلک کر روتے ہوئے بولا اور مولوی صاحب کے پیر چھونے کے لیے زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب نے فوراً ہی اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ ''یہ کیا کر رہا ہے شمشیرے۔ چل نماز کو اور چھوڑ دے رسہ گیری اور کر مزدوری مردود، خدا تجھے راہ راست پر لے ہی آئے گا۔''

''...... مولبی جی اب کی برسات نہ ہوتی تو ہم سب مر گئے ہوتے۔'' شمشیرے نے آنکھیں پونچھ کر گلوگیر آواز میں کہا اور مولوی صاحب نے دیکھا کہ وہ نہا

Marfat.com
Marfat.com

دھو کر اور صاف کپڑے پہن کر پہلے ہی سے نماز کے لیے تیار ہو کر آیا ہے۔

''ابے یہ تو اس پروردگار بے ہمتا کی رحمت بے پایاں پر منحصر ہے مردود، ورنہ ہم تو گنہگار اور عاجز بندے ہیں اس رب العالمین کے، ابے ملعون تو کیا ہمیں تکبر میں گھسیٹنا چاہتا ہے؟'' شمشیر ارسہ گیر مولوی صاحب کی یہ مقدس گالیاں کھا کر یوں خوش ہوا جیسے کوئی بالک چوری کے بیر کھا کر خوش ہوتا ہے۔ وہ سر جھکائے اور آنکھیں پونچھتا ہوا اپنے تائب ہونے کا خاموش اعلان کر رہا تھا کہ ایسے میں مولوی صاحب کو سامنے سے فقیرا کانا آتا ہوا دکھائی دیا۔ ایک پیر سے لنگڑاتا وہ قریب آ گیا تو تو مولوی صاحب نے دیکھا کہ وہ مردود، شقی القلب، یزید صفت انسان رو رہا ہے۔ کوئی اور دن ہوتا تو مولوی صاحب اس ابوالخبیث کے منہ پر تھوک کر لاحول پڑھتے آگے بڑھ جاتے۔

لیکن آج جب وہ دوڑ کر ان کے قدموں پر گر پڑا تو وہ اسے اٹھا کر مسجد کو لے چلے۔ ''آ گیا نا بے خبیث راہِ راست پر! چل بد ذات روزِ قیامت سے ڈر اور جل شانہ، رحیم وغفور کے آگے سر بسجود ہو جا۔ پڑھ بسم اللہ''

مولوی محمد عمر قاضی ایک فاتحانہ زندگی سرخی، ایک منکسر اور عاجزانہ تفاخر کی رونق چہرے پر لیے ایک پارسا اور پاک تبسم لبوں پر سجائے ان دونوں افراد کے ساتھ مسجد کے قریب پہنچے تو انھوں نے گاؤں کے بچے بوڑھے اور جوانوں کو ہاتھوں میں ہار لیے استقبال کے لیے منتظر پایا۔ ہر طرف سے مرحبا، مرحبا اور جزاک اللہ کی صدائیں آ رہی تھیں اور مولوی محمد عمر قاضی کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا ہر قدم زمین پر نہیں آسمان پر پڑ رہا ہے۔ شمشیر ارسہ گیر اور فقیرا کانا دونوں فرطِ جذبات سے رو رہے تھے۔ لوگوں نے ان کو سینے سے لگایا اور توبہ کرنے کے صدقے میں ان کو بھی دو دو ہار پہنا دیے۔ مولوی محمد عمر قاضی ہاتھ میں عصا لیے منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو ہر جانب قبرستان کی سی

Marfat.com
Marfat.com

خاموشی چھا گئی اور فضا میں اگر بتی کی پاکیزہ خوشبو کے سوا کسی کے لیے کوئی احساس باقی نہ رہا۔ اور پھر یہی خوشبو مولوی محمد عمر قاضی کی خوش الحان آواز بن گئی۔ ایسے میں دھوپ ماند پڑ گئی ٹھنڈی ہوا چلنے لگی، درخت اور پودے جھومنے لگے، بادل پھر گھر آئے اور ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ تب ایک نمازی نے آسمان کی طرف دیکھ کر دوسرے سے کہا۔ ''باران رحمتِ خداوندی ہے۔'' دوسرا بولا: ''الحمد للہ!'' تیسرے نے کہا: ''مرحبا مرحبا سبحان اللہ سبحان اللہ۔''

نمازی آنکھیں بند کیے اس ذات لا یزال خداوند بارک تعالیٰ کا تصور باندھے ہوئے تھے کہ معاً دور سے کہیں کسی کے رونے کی اور بین کرنے کی آواز آئی۔ رفتہ رفتہ یہ صدا قریب تر آتی گئی اور پھر مٹھن کوٹ والے تراہے پر دائیں اور بائیں دو قافلے دکھائی پڑے۔ قافلے کی بوڑھی اور جوان عورتیں بین کر رہی تھیں۔ مرد غم کی تصویر بنے بیل گاڑیاں ہانک رہے تھے اور بیلوں، خچروں پر سامان لادے چلے آئے تھے۔

یہ لمبا قافلہ جب بڈھن وال سے گزرا تو معلوم ہوا کہ نشیبی آبادیوں کو سیلاب نے آلیا ہے۔ دائیں ہاتھ والے قافلے میں جھنڈ ویرا، دوکوٹہ، میر واہ، تاندیانوالہ، پتل منڈا، بھاگل اور ان کے ملحقہ دیہات تھے اور بائیں ہاتھ پر سوہاوہ، غازی گھاٹ، کوٹلہ حاجی شاہ، گولیکی، سک والہ بستی کریک، کھمبری، بھولا والا اور ان کے آس پاس کی آبادیوں کے لوگ تھے۔ جن کو سیلاب نے راتوں رات آلیا تھا اور وہ اچھی طرح خبردار بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آدھوں آدھ آبادیوں کو سیلاب نے نگل لیا۔

بھوکے پیاسے مویشی ساتھ لیے، لاٹھیوں پر گٹھڑیاں ٹکائے۔ بیل گاڑیوں پر چارپائیاں، گدڑیاں، رضائیاں، ٹین کے ٹرنک اور لکڑیوں کے صندوقوں کو لادے ہاتھوں میں لاٹھیاں، کلہاڑیاں یا بیڑوں کی گٹھلیاں اور تیتروں، چکوروں کے پنجرے

Marfat.com
Marfat.com

تھامے یہ لوگ ڈھور ڈنگروں کی طرح خاموش اور سر جھکائے بڑھن والے کے خوش حال کسانوں سے آنکھیں چراتے، ندامت اور انکسار کے مارے دور دور رہتے، یوں چلے جا رہے تھے گویا ان سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# شاہیا

اکھرے، لانبے اور مضبوط بدن کا جیالا جوان شاہیا اپنے علاقے کا سب سے بانکا گھڑ سوار تھا۔

شاہیا کی بہن نوراں اپنے حسن میں شاہیا کے بانکپن کی طرح مشہور تھی، شاہیا کی جوانی اگر سیلاب تھی تو نوراں کا حسن چاند کا نور تھا۔ شاہیا چاہتا تھا کہ بستی بستی پھیلی ہوئی یہ روشنی اب سمٹ کر کسی گھر کا دیا بن جائے، کپاس کی فصل پر شاہیا کے مرحوم باپ کا سارا قرضہ اتر گیا تھا، گندم کی فصل کے بعد شاہیا نے نوراں کے ہاتھ پیلے کر کے باپ کا یہ قرض بھی چکا دینے کا رادہ کیا۔

اور جب گندم کی یہ فصل پکی تو شاہیا بھی دن رات کی محنت سے پک گیا تھا۔ کاشت کار دور دور سے شاہیا کی فصل دیکھنے آتے تھے۔ فصل تن کر کھڑی تھی، جیسے کوئی مٹیار پانی بھری مٹکی سر پر رکھے، رک کر آسمان پر اڑتی ہوئی کونجوں کو دیکھنے لگ گئی ہو۔ اب کی بار فصل اس قدر اونچی، اتنی خوب صورت، اتنی شان دار تھی کہ گاؤں کی ساری مٹیاروں کا جوبن بھی اس کے سامنے ماند پڑتا تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

پھر ایک دن نور کے تڑکے گاؤں والوں نے کانوں میں ڈھول کی بھنک پڑی اور لوگوں نے دیکھا کہ شاہیا کی فصل ڈھول کی تال پہ مست ہو کر جھوم رہی ہے۔ جھومتی ہوئی یہ فصل لہرا کے اٹھی اور شیر جیسے جوانوں کی چمکتی اٹھکارتی درانتیوں پر رقص کرنے لگی۔

کئی دنوں تک گاؤں والوں نے وہی رقص دیکھا، وہی فصل دیکھی، وہی درانتیاں دیکھیں، وہی شاہیا دیکھا۔

اور پھر جب ایک روز سورج آدھا ادھر تھا، آدھا ادھر اور جب ہر چیز شام کی روشنی میں لال گلال ہو رہی تھی اور جب اس رنگ میں نہاتی پکھیروؤں کی ڈاریں بسیروں کی تلاش میں چل نکلی تھیں تو گاؤں والوں نے اس بھیگی سی شام میں دیکھا کہ شاہیا تھک کر گر پڑا ہے۔ جوان تھک کر گر پڑے ہیں، درانتیاں تھک کر گر پڑی ہیں اور ساری فصل تھک کر گر پڑی ہے۔ انسان تھک کر چور ہو چکے تھے، درانتیاں تھک کر بے حرکت ہو گئیں تھیں اور شاہیا کی گلابی جاڑوں کی محبوبہ اسے گیہوں کے دانوں کا سنہرا تحفہ دے کر رنگ بدلتے موسم کی آغوش میں جا سوئی تھی۔

اور ایک روز شام کو شاہیا اٹھا، جوان اٹھے، فصل اٹھی اور یہ برات بیل گاڑیوں میں شہر تک پہنچی۔ یہاں وہ فصل کھری چاندی بنی اور شاہیا کی ڈب میں جا چھپی۔

رات کو سب یار بیلی گلے میں موتیوں کے ہار ڈالے شہر کی سیر کو چلے۔ شاہیا کی پتلی مونچھیں بل کھا کرتی ہوئی تھیں۔ وہ سیندوری پگڑی، بوسکی کی قمیص پر چمکیلی گوٹے دار نسواری صدری اور ریشمی لاچہ پہنے ہوئے، چھوی کاندھے پہ رکھے، سینہ تان کر چل رہا تھا۔ شہر کی جگمگاتی دکانوں سے پھل مٹھائیاں لیتے، پان کھاتے وہ اور اس کے ساتھی چلے جا رہے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں اتفاقاً وہ لوگ بازار حسن کے اندر گھس آئے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

شاہیا جو آج بالکل ماہیا نظر آ رہا تھا، یہ معاملہ دیکھ کر ٹھٹھا مار کر ہنسا اور ابھی یہ لوگ واپس مڑے ہی تھے کہ اوپر کی ایک کھڑکی سے پھولوں کا ایک ہار شاہیا پر آن گرا، اس نے پیچھے مڑ کے اوپر دیکھا، ایک الہڑ جوانی اسے ہنس ہنس کر اشاروں سے اپنے پاس بلا رہی تھی۔ اس کے جواب میں شاہیا نے ایک برمحل دوہا بلند آواز سے پڑھا، جس کا مطلب تھا کہ ہم سچے عاشق ہیں، جو ایک بار ہمارا ہو گیا وہ پھر کسی کا نہیں ہو سکتا اور تیرا کیا اعتبار؟ تو تو ہرجائی ہے، کیوں ایک غریب نوجوان کی پاک دامنی کو داغ لگاتی ہے؟ یہ سن کر اس ہرجائی نے ایک پھول اور پھینکا اور طنز کا ایسا تیکھا تیر مارا کہ وہ تلملا کے رہ گیا۔ ''میں مجبور تو وفا کر لوں گی جوان، تو مجھے یہاں سے نکال لے جائے تو جانوں۔'' ایک ہٹا کٹا اوباش اس پر ہنسا۔ ''چوڑیاں پہن لے چھوکرے اور مونچھوں پر استرا پھیر ڈال۔'' شاہیا نے تیوری چڑھا کے اس کی طرف دیکھا، اس نے شاہیا کے کلّے پر ہاتھ رکھ کے اسے حقارت سے دھکیل دیا۔

تب شاہیا کو کچھ یوں محسوس ہوا جیسے ایک آگ سی اس کے تلوؤں سے اٹھی اور سارے بدن کو شعلہ بناتی ہوئی سر تک چلی گئی، اسے پھر اپنی سدھ نہ رہی، آن کی آن میں اس کی چھوی بجلی کی طرح کوندی اور لہو میں نہا گئی۔

شاہیا کو شاہیا ہونے کی سزا ملی۔ عدالت نے اس کی کھری چاندی کو مٹی کر دیا، اس کی مشکی گھوڑی کو چکی بنا دیا، اس کی لگا میں زنجیروں میں تبدیل کر دیں اور کالی سنگلاخ دیواروں کو پہرے دار بنا دیا۔

اور اس طرح جیسے ایک جگ بیت گیا۔

ایک صاف تاروں بھری رات تھی کہ وہ اپنے گاؤں کے سٹیشن پر اترا۔ گاڑی کوکتی ہوئی آگے چل دی۔ اس نے چھوٹے سے سٹیشن کی ٹمٹماتی روشنیوں کو پیچھے چھوڑا اور اپنے گاؤں کی پگڈنڈی پر ہولیا۔ آس پاس جنڈ اور کریر کی وہی جانی پہچانی جھاڑیاں

Marfat.com
Marfat.com

تھیں، کیکر کے اکا دکا پیڑ وہی تھے اور دور نہر کے کنارے کا آموں کا جھنڈ بھی جانا پہچانا تھا۔ نرم نرم زمین پر چلتے وقت اسے ایک نئی لذت اور ایک بے پایاں آزادی کا احساس ہوا۔ اس نے فضا میں وہ خوشبو محسوس کی جو زمین پر پانی پڑنے سے اور پودوں کی ہریالی سے پیدا ہو کر روح کو تازہ کر دیتی ہے۔ فضا میں ٹھنڈک تھی اور اسے یہ سارا سماں اپنی کھوئی ہوئی آزادی کو دوبارہ پا لینے سے بہت بھلا لگ رہا تھا۔

یہ مہینے اور یہ سال! اس نے چلتے چلتے سوچا۔ یہ کپاس اور گندم اور دھان کی بھرپور فصلیں اب کی بار قسمت کا داروغہ لے گیا جانے اس کی گھوڑی کسی کا کیا حال ہوگا؟ اس کے دودھیا بیل کیا ہوئے؟ اس کی بہن نوراں کیسی ہے اور اس کی بوڑھی ماں؟ وہ تو بے چاری اس غم میں مر گئی ہوگی وہ چلتا رہا اور جب دور اسے اپنا مٹی کا کچا گھر نظر آیا تو اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ دوڑ پڑا لیکن جب وہ اپنے کھیت کی پرانی بیری کے قریب پہنچا تو ٹھٹک کر رک گیا اس کی زمین پر گندم کی فصل لہرا رہی تھی۔ یہ کس کی ہے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، وہ پلٹا اور گھر کی طرف چل دیا۔

گھر کی چار دیواری کا دروازہ اندر سے بند تھا، اس نے دیوار پھاندی اور چپکے سے اندر کود گیا۔

چاند اب کافی اوپر آ گیا تھا۔ چٹکی ہوئی چاندنی میں اس نے دیکھا کہ تھان پر دو چتکبرے بیل کھونٹے سے بندھے جگالی کر رہے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ان بیلوں کے پاس آ گیا۔ مست بیل اسے اجنبی جان کر پھنکارنے لگے۔ اس نے ان میں سے ایک کے ماتھے پر ہاتھ پھیرنا چاہا تو اس نے سینگ دکھا دیے۔ پھر دونوں بیل گھبرا کے اٹھ بیٹھے، ان کے گلے میں بندھے گھنگھرو بجنے لگے۔ وہ وہاں سے ہٹ آیا، تب اس کی نظر کونے میں بندھی ہوئی گھوڑی پر جا پڑی۔ اس نے قریب جا کر اس گھوڑی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا، وہ اچھلی، ہنہنائی اور خوف سے نتھنے پھڑ پھڑانے لگی۔ اس نے گھوم کر

Marfat.com
Marfat.com

سارے گھر کو دیکھا، سب کچھ بدل گیا تھا، نہ وہ بیل رہے تھے جو اسے دیکھ کر بلاتے، نہ وہ لسی رہی تھی جو اسے دیکھ کر خوشی سے اچھلنے لگتی۔ آنگن میں دو نئے پیڑ اگ آئے تھے، اور پرانے سوہانجنے کے بھاری سایہ دار درخت کا تنا گھر کے پچھواڑے دیوار کے ساتھ رکھا تھا، اپنا گھر اسے بالکل اجنبی معلوم ہو رہا تھا۔

پھر وہ آہستہ آہستہ گھر کے اندر کے دروازے کی طرف بڑھا اور اپنا ایک ہاتھ بند دروازے کی کنڈی پر رکھ دیا۔ اس کا دل اب زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کنڈی کھٹکھٹانے سے پہلے اس نے دروازے کی جھری سے آنکھ لگا کر اندر دیکھا......

ایک لالٹین مدھم مدھم جل رہی تھی، اس کی ماں کا چرخہ سامنے رکھا تھا، دوسری طرف دہی بلونے کی پرانی مٹکی پڑی تھی اور اوپر طاق پر بدستور تانبے کے برتنوں کی قطار کھڑی تھی اور ان برتنوں کے پاس موکھے کے نیچے ایک چھوی دیوار میں دو کیلوں کے درمیان ٹکی تھی۔ چھوی کے رنگدار ہتے پر سے اس کی نگاہیں دھیرے سے نیچے کود پڑیں اور فرش پر سوئی ہوئی ایک عورت کے چہرے پر ٹھٹھک کر رہ گئیں.....نوراں اب دوشیزگی کے دور سے گزر کر ایک بھاری بھر کم عورت بن چکی تھی۔ جیسے گندم کی ہری بھری فصل دھوپ میں پک جائے۔ اس کا ننھا اس کی چھاتی سے چمٹا دودھ چسک رہا تھا، دوسرا اس کے ساتھ لیٹا نیند کے گہرے سانس لے رہا تھا۔ تھوڑی دور ادھر کو ایک بڑی بڑی مونچھوں والا بلونت جوان اپنے بھاری خراٹوں سے گھر بھر کو ہلا رہا تھا۔

وہ دیر تک اندر دیکھتا رہا، اس چھوٹے سے گھر میں اپنی مہربان بوڑھی ماں کہیں نظر نہ آئی۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، حلق گھٹ گیا، اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ نوراں کی بھری گود دیکھ کر ہنس دے یا ماں کی جدائی میں رو دے، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اسے خبر نہ تھی یہ مسرت ہے یا کہ غم......؟

گاؤں سے باہر آنے والی پگڈنڈی پر سے اجنبی راہگیروں کی طرح گزرتے

Marfat.com
Marfat.com

ہوئے وہ اپنے پرانے کھیت کے قریب رکا اور اسے ایک بار الوداعی نظروں سے دیکھا۔ کھیت میں کھڑا بیر کا درخت شاہیا کو پہچان گیا، اس کی ٹہنیاں یوں ہلنے لگیں جیسے شاہیا کے خاموش سلام کا جواب دے رہی ہوں۔ سوئے ہوئے گاؤں پر اچٹتی سی نظر ڈال کر وہ مڑا اور آگے کو ہولیا۔

آم کے بور کی بھینی بھینی خوشبو میں رچے ہوئے گھروندوں کو پیچھے چھوڑ کر وہ تیز تیز قدموں سے چلتا پکی سڑک پر آن کھڑا ہوا۔ سڑک بالکل سنسان تھی اور اس کے دونوں کناروں پر ٹاہلی کے درختوں کی قطاریں اونگھ رہی تھیں۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اسے دور ایک بیل گاڑی کی روشنی دکھائی دی اور پھر روشنی کے اس ہیولے سے بتدریج ایک گڈے کے پہیوں اور بیلوں کے گھنگھروؤں کی صدا آنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی کسی جوان کے ماہیا گانے کی بھنک اس کے کانوں میں پڑی۔ بیل گاڑی قریب آ گئی تو شاہیا کود کر اس پر جا بیٹھا۔ گڈے والے جوان نے پوچھا۔ ''کہاں جاؤ گے جوان؟'' شاہیا یہ سوال سن کر ہنس دیا۔ ''جہاں اب جندڑی لے جائے۔'' اور یہ کہتے ہوئے شاہیا نے اسے اپنی داستان سنا ڈالی۔ وہ جوان اسے اپنے گاؤں لے آیا اور صبح کو اسے بنجر دھرتی کا ایک ٹکڑا دکھا کر بولا۔ ''شاہیا یہ زمین تیرا ہی انتظار کر رہی تھی۔''

اور پھر اس سال جب شاہیا کی گندم پکی تو وہ خود بھی دن رات کی محنت سے پک گیا تھا۔ لوگ دور دور سے اس کی فصل دیکھنے آتے تھے جو اس طرح تن کر کھڑی تھی جیسے کوئی مٹیار پانی بھری مٹکی لیے رک کر آسمان پر اڑتی کونجوں کی ڈار کو دیکھنے لگ گئی ہو۔

یہ فصل پھر کھری چاندی بنی اور یہ کھری چاندی شاہیا کے تہبند کی ڈب میں جا چھپی۔

صبح کا پہلا وقت تھا۔ دکانیں بند، مکان خاموش اور گلیاں ویران تھیں، بازار

Marfat.com
Marfat.com

میں جگہ جگہ باسی پھولوں کے ہار، مٹھائی کے خالی دونے اور بجھے سگریٹ بکھرے ہوئے تھے۔ شاہیا بوسکی کی قمیص پر چمکیلی گوٹے دار نسواری صدری اور ریشمی تہبند اور سیندوری بل دار پگڑی باندھے، ہاتھ میں چھوی لیے چلا جا رہا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں کبھی وہ پھولوں کی چوٹ کھا کر پاگل ہو گیا تھا۔ دو ڈگ بھر کے اس نے گلی پار کی اور سامنے کی ڈیوڑھی لانگ کر اوپر دروازے پر زور سے دستک دی، اندر سے رات کی جاگی ہوئی ایک نسوانی آواز آئی۔ ''کون؟'' شاہیا نے کہا: ''دروازہ کھولو۔'' تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ شاہیا اندر داخل ہوا تو اس کی نظر لالٹین کی بڑھائی ہوئی بتی پر پڑی، جس کا تیل ختم ہو چکا تھا۔ شاہیا نے بجھتی ہوئی لالٹین کی گھٹتی بڑھتی روشنی میں ایک گورے حسین چہرے پر وہی تل دیکھا جسے وہ اتنی مدت کے بعد بھی نہ بھولا تھا۔

''تم نے مجھے پہچانا؟'' شاہیا نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں......'' اس نے رک کر یوں کہا گویا شاہیا کو پہچان کر اس سے کوئی قصور ہو گیا ہو۔

''تمہیں معلوم ہے میں یہاں کیوں آیا ہوں؟'' شاہیا نے سوال کیا۔

''نہیں۔'' اس نے مدھم سی آواز میں جواب دیا۔ شاہیا کہنے لگا: ''میں تم کو سلام کرنے آیا ہوں، اس لیے کہ تم نے میرے لیے پیشیاں بھگتیں اور جھوٹ بول کر میری جان بچائی۔'' کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''سنو......'' شاہیا نے پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اب کسی پر اس طرح پھولوں کا ہار نہ پھینکنا، ان چلتے پھرتے لوگوں میں کبھی کوئی جوان مرد بھی آ ہی نکلتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے شاہیا نے کٹیلے طنز کے ساتھ مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس نے مہندی رنگے ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا اور رونے لگی۔ جیسے شاہیا نے کسی زخم پر نشتر مار دیا ہو، کچھ نادم، کچھ پریشان سا ہو کر شاہیا نے چھوی کونے میں رکھ دی اور آگے

Marfat.com
Marfat.com

بڑھ کر اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

''اچھا تو اب میں چلتا ہوں'' وہ اپنی چھوی اٹھا کر پشیمان سا ہو کر بولا اور جلدی سے باہر نکل آیا۔ اندر سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی اور شاہیا باہر دروازے کے پاس بت بنا کھڑا تھا۔

بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو دروازے سے ہٹایا اور شاہیا کو گھسیٹتے ہوئے باہر سڑک پر لے آیا۔ مردہ سی چال چلتے ہوئے وہ شہر سے باہر آ گیا۔ وہ دل ہی دل میں پچھتا رہا تھا کہ آخر وہاں گیا ہی کیوں؟

آہستہ آہستہ چلتے وہ شہر کے باہر بہنے والی نہر کے کنارے نکل آیا۔

آس پاس کی بستیوں میں مرغ اذان دے رہے تھے۔ درختوں پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور فضا میں مویشیوں کے ڈکرانے کا شور تھا۔

نہر کے کنارے چلتے چلتے اسے یوں لگا جیسے اس کے کان گونج رہے ہیں۔ جیسے دور کوئی شاہیا شاہیا پکار رہا ہے۔ یہ آواز دھیرے دھیرے قریب آتی جا رہی تھی، حتیٰ کہ شاہیا کو ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھنا ہی پڑا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ کوئی عورت چادر اوڑھے، وحشت سے اس کے پیچھے بھاگتی چلی آ رہی تھی، جیسے شاہیا اس کی کوئی انمول شے لیے جاتا ہو، وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔

وہ عورت پاگلوں کی طرح دوڑتی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی، اس کا رواں رواں پسینے سے تر تھا اور آنکھیں نم ناک، وہ کانپ رہی تھی اور اس کے ساتھ اس کی آواز بھی ''مجھے ساتھ لے چلو شاہیا۔'' یہ سن کر شاہیا مہربانی سے مسکرانے لگا اور اس کا ہاتھ تھام کر اس طرح دیکھا جیسے کسی گھنے پیڑ نے ایک سہمے ہوئے پکھیرو کو اپنی پناہ میں لے لیا ہو۔

❁❁❁

Marfat.com
Marfat.com

# ٹورسٹ

پہاڑوں کی شام سنولا گئی۔ ڈھلتی دھوپ بلند قامت چیل اور دیوداروں یا دور برفانی چوٹیوں پر یوں ٹھہری تھی جیسے تذبذب کے عالم میں کھڑی افق کی تاریک گہرئیوں سے گریزاں ہو۔

مدھوراہل اسٹیشن کا ڈاک بنگلہ خالی ڈھنڈار پڑا تھا اور اس کا خانساماں جسے آس پاس کے سب لوگ ماماں ڈنگر کہتے تھے، رات کے کھانے کے لیے آلو چھیل رہا تھا۔ آلو اسے بہت مرغوب تھے اور اکثر وہ سوچتا کہ ماماں ڈنگر کہنے کے بجائے اگر لوگ اسے ماماں آلو ہی کہہ کر پکار لیتے تو برا کیا تھا۔ ماماں ڈنگر کی تل چاولی داڑھی میں کالے بال زیادہ ہیں یا دھولے؟ یہ کوئی نہ بتا سکتا تھا اور جب عبدل جسے سب دولا دولا کہتے تھے کسی سے کوئی شرط بدتا تو علاوہ اور باتوں کے وہ اپنی شرط میں یہ شق بھی ضرور شامل کیا کرتا تھا کہ ہارنے والے کو ماماں ڈنگر کی داڑھی دیکھ کر بتانا پڑے گا کہ اس میں کالے بال جیت رہے ہیں یا دھولے۔ مدتوں سے ماماں ڈنگر کی داڑھی جوں کی توں قائم تھی اور اس کے چہرے پر دھوپ چھاؤں کی لڑائی کا فیصلہ نہ ہو پایا تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

ماماں ڈنگر کا کامی چھوکرا جو گدبدے دوہرے بدن کا لونڈا تھا، کھیت والے ہمسائے کی بکریوں سے ٹکریں کھیل رہا تھا۔ وہ ماماں ڈنگر کی برادری سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا دور کا رشتہ دار بھی تھا۔ اس کی ایک آنکھ پر سفیدہ تھا، عبدل نے اس کا نام کانا کریلا رکھا تھا۔ اس کا اصلی نام اور ماماں ڈنگر سے اس کا ناتا کسی کو معلوم نہ تھا۔ یہ اس ڈاک بنگلے کا دوسرا اسرار تھا۔ کانا کریلا ہر وقت سرخ اور سفید دھاری کی ایک ڈھیلی ڈھالی میلی بنیان پہنے رہتا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ وہ اس بنیان کے ساتھ پیدا ہوا ہے اور کسی روز اسی بنیان کے ساتھ ہی مر جائے گا۔

مولوی رحمت علی جس کو عبدل نے مولوی طوطا کا لقب دیا تھا چیل کے پیڑ کے ساتھ پان بیڑی کا خوانچہ جمائے اوپر سے عبدل کے ضروری اعلان کا انتظار کر رہا تھا۔ شام کی بس ابھی تک اسٹاپ پر نہیں پہنچی تھی اور مولوی طوطا کو اس کا سخت انتظار تھا۔

ڈاک بنگلے کی چمنی کا سہارا لیے عبدل ایک پرانی دوربین سے میدانی علاقے سے اوپر کو آنے والی سڑک پر بغور نظریں جمائے کھڑا تھا۔ جنگی جہاز کے اس کپتان کی طرح جو دشمن کے حملے کا منتظر ہو۔ عبدل سمندری فوج میں رہ چکا تھا۔ جس کی چار نشانیاں اس کے پاس تھیں۔ ایک دوربین، ایک نیلی وردی، نیوی کی ٹوپی اور انگریزی کے کچھ الفاظ۔ عبدل ایک لمبا تڑنگا، گورا چٹا، مضبوط اور گٹھے جسم کا سوہنا جوان تھا اور بات بات میں ہنسی کا پہلو کرید نے کا عادی۔

''اہائے، اہائے''۔ عبدل نے دوربین آنکھوں پر لگائے ایک ہاتھ ہلاتے ہوئے بہت ہی اہم اعلان کرتے ہوئے کہا۔ ''اینیمی کم ان دشمن آرہا ہے۔ نارتھ ویسٹ اٹھارہ ڈگری۔'' عبدل یہ کہتا ہوا بڑی مہارت سے نیچے پھسل پڑا اور چاروں طرف دوڑتے ہوئے اینیمی کم ان اینیمی کم ان کی رٹ لگا دی۔ مولوی طوطا نے اپنی پگڑی درست کی اور سنبھل کے بیٹھ گیا۔ کانا کریلا فوراً باورچی خانے میں آکر

Marfat.com
Marfat.com

برتن دھونے لگا۔ ماماں ڈنگر نے کانے کریلے کو خواہ مخواہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ڈاک بنگلے میں کچھ یوں ہلچل مچ گئی جیسے کسی جنگی جہاز میں دشمن کے حملے سے پہلے ہوتی ہے۔ عبدل دوڑتا ہوا کوٹھڑیوں کی جانب گیا اور سوتے ہوئے رحیمے پر سے کمبل الٹ کر بولا۔ ''اٹھ بے سالے آ رہا ہے تیری ماں کا یار۔ ''ٹورس'' اپنی دوربین سے دیکھ کر آیا ہوں۔ رحیما آنکھیں ملتا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور اٹھ کر جوتے پہننے لگا۔

گھوں، گھوں، شاں شاں کرتی ایک موٹر کار ترائی سے اوپر کو آئی اس کی چھت پر مچھلی پکڑنے کی بنسیاں اور سوٹ کیس رکھے تھے۔ موٹر کار بنگلے کے احاطے میں آ کر رک گئی۔ عبدل نے سلام کیا، پھرتی سے آگے بڑھ کر موٹر کار کا دروازہ کھول دیا اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولا۔ ''ویل کم مدھوراہل اسٹیشن گڈ فشنگ، گڈ سپورٹ۔''

موٹر کار میں سے ایک خوبصورت، تندرست اور نیلی آنکھوں والی میم کیمرہ لٹکائے مسکراتی ہوئی نکلی۔ عبدل سفری اشیاء اٹھا کر کمرے کی جانب چل پڑا۔

میم کا اسباب ٹھکانے لگا کر عبدل واپس لوٹا اور نل کے نیچے خوب اچھی طرح نہایا، اپنی میلی چکٹ نیکر اور ملگجی قمیص اتار پھینکی اور دیکھتے ہی دیکھتے نیوی کی نیلی وردی میں نظر آنے لگا۔ اس نے رحیمے کا پتا کاٹ کر میم صاحب کی خدمت کا سارا کام خود سنبھال لیا۔ عبدل کی پھرتی، چترائی اور خوشدلی کو دیکھ کر میم مسکرائی اور پوچھا: ''واٹ از یور نیم؟'' ''تمہارا نام کیا؟'' ''مائی نیم عبدل میم صاب'' عبدل نے سیلوٹ مار کر جواب دیا اور میم نے پسندیدہ نگاہوں سے اس کو سر سے لے کر پیر تک کچھ اس انداز سے دیکھ ڈالا گویا انسان کو نہیں کسی پرشکوہ عمارت کو دیکھ رہی ہو۔ ''ڈو یو سموک؟'' میم صاحبہ نے ایک پیکٹ میں سے اپنے ہی ایسا سفید اور نفیس سگریٹ نکال کر پوچھا۔ ''یس میم صاحب'' عبدل نے پیش کردہ سگریٹ کو سر جھکا کر قبول کرتے ہوئے کہا۔ ''تھینک یو ویری مچ۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے پٹ سے دیا سلائی نکال کر اسے اپنی آنکھوں

Marfat.com
Marfat.com

کی مانند روشن کیا اور دونوں ہاتھوں سے قندیل بنا کر میم صاحب کے آگے لے گیا۔ میم نے اپنے دونوں گورے گورے ہاتھ عبدل کے ہاتھوں پر رکھ کر سگریٹ جلایا اور دھوئیں کا ایک مرغولہ چھوڑ کر بولی۔ ''تھینک یو'' عبدل نے پھر اپنے دل کی طرح اپنا سگریٹ بھی سلگایا اور فضا میں دھوئیں کا ایک گول چھلا تیرا کر ثابت کر دیا کہ ساری عمر وہ ایسی ہی کھلنڈری حرکتیں کرتا رہا ہے۔

''آر یو میریڈ؟'' میم نے پوچھا۔ ''تمہارا بی بی ہے؟''

''نو میم صاب'' عبدل نے ایک اور کش لے کر کہا۔ ''دس سگریٹ ویری ویری گڈ۔'' میم پھر مسکرائی اور اٹاچی کیس سے سگریٹوں کا ایک پیکٹ نکال کر عبدل کو دے دیا۔

عبدل اظہار تشکر کے لیے کورنش بجا لایا۔ میم نے کہا۔ ''برنگ ٹی ود ٹو کپس چائے لانا مانگتا ڈو کپ کے ساتھ۔'' یہ سن کر عبدل چھلاوے کی طرح غائب ہو کے ماماں ڈنگر کے سر پر نمودار ہوا اور اس کو ولایتی سگریٹوں کا نیا نکور پیکٹ دکھا کے آنکھ ماری اور پھر اسے بتایا۔ ''چائے مانگتا ڈو کپ کے ساتھ۔''

ماماں ڈنگر نے جب ڈو کپ کے ساتھ والی چائے بہترین ساز و سامان کے ساتھ روانہ کی تو وہ سوچ رہا تھا کہ میم صاحب کے ساتھ چائے پینے والا اس کا انگریز یار ابھی آتا ہی ہو گا۔ عبدل چائے کی ٹرے لے کر اندر پہنچا تو اس کے ایک ہاتھ میں تازہ جنگلی پھول تھے اور نیلی وردی کے کوٹ کالر میں ایک شگفتہ گلاب ہنس رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ غیر ملکی لوگ پھولوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ عبدل نے چائے میز پر سجا دی۔ میم نے منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کر لیا تھا اور بال سنوار لیے تھے۔ پہلے کی طرح وہ اب بھی اطمینان سے مسکرا رہی تھی۔ ''میک اے کپ فار می اینڈ ون فار یو اپنے لیے اور تمہارے لیے ایک ایک کپ بناؤ۔''

Marfat.com
Marfat.com

عبدل چائے بنانے لگا اور میم کی طرف دیکھ کر بولا: ''یو ویری ویری بیوٹی فل میم صاب، ویری ویری بیوٹی فل، لائیک فائر ان دی نائٹ۔'' میم ہنس پڑی۔ عبدل ان کے سارے آداب جانتا تھا اسے معلوم تھا انگریز عورتیں تعریف کا برا نہیں مانتیں۔

چائے پینے کے بعد میم صاحب نے عبدل کو حکم دیا کہ وہ سب کھڑکیاں اور دروازے دیکھ ڈالے کہ محفوظ ہیں یا نہیں۔ عبدل نے بڑے زور دار کھڑاکوں اور دھماکوں کے ساتھ دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے شروع کر دیے اور ذرا سی دیر میں میم صاحب نے اطمینان کا سانس بھر کے عبدل کو پھر حکم دیا کہ وہ کھڑکیاں اور دروازے کھول ڈالے۔ عبدل نے پھر اسی کھڑاکے اور دھماکے کے ساتھ فوری طور پر یہ کام سر انجام دے ڈالا اور چھاتی تان کر بولا۔ ''نو ڈینجر میم صاب، عبدل ویری ویری سٹرانگ۔'' میم عبدل کے اس جواب پر بڑی مہربانی سے مسکرانے لگی۔

رات ہو گئی تو میم نے عبدل سے کہا ''یو جولی گڈ فیلو برنگ سوڈا فار می۔''

جولی گڈ فیلو سوڈا لانے کے لیے چلا گیا تو میم نے اپنے سفید دستانے اتار کر میز پر رکھ دیے اٹیچی کیس سے شراب کی بوتل اور تاش کی گڈی نکال کر میز پر سجا دی اور آئینے کے سامنے اپنے بال سنوارتے ہوئے اپنے آپ کو پہلے دائیں پھر بائیں جانب سے دیکھا اور پھر آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

''سوڈا ویری ویری کولڈ میم صاب۔'' عبدل نے سوڈے کی دو بوتلیں اور ایک گلاس دھڑاکے سے میز پر رکھ کر کہا۔ ''ویری ویری کولڈ۔''

''سٹ ڈاؤن عابڈل۔'' میم نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور عبدل کو بوتل کا کاک اڑانے کا حکم دیا۔ عبدل نے کاک اتار کر بوتل میم صاحبہ کو تھما دی۔ میم صاحبہ نے گلاس میں تھوڑی سی وسکی انڈیلی، عبدل نے سوڈے کی بوتل کھول کر اس میں سوڈا ملا دیا۔ میم صاحبہ نے وسکی کا گھونٹ بھرا اور پھر تاش ملا کر بولی۔

Marfat.com
Marfat.com

''یونو کارڈز؟''

''یس میم صاحب۔''

''کم آن سٹ ڈاؤن۔'' عبدل کرسی کھینچ کر میم صاحب کے سامنے بیٹھ گیا۔

میم صاحبہ نے پتے بانٹنے شروع کیے کھیل شروع ہو گیا۔

''ڈو یو ڈرنک؟'' ایک بازی کے بعد میم صاحبہ نے پوچھا۔

''یس، آئی ڈرنک، آئی ڈرنگ تو مچ۔'' عبدل نے بڑی سنجیدگی اور وقار سے برابری کے انداز میں کہا اور جیب سے ایک اور گلاس نکال کر میز پر دھر دیا۔

بہت دیر تک کسی کو آس پاس عبدل کا بگولا نظر نہ آیا تو رحیمے کو جانے کیوں ایک کھاج سی لگ گئی۔ وہ اٹھا اور اٹھ کر میم کے کمرے پر آیا اور پھر دروازے کی جھری سے اندر جھانک کر دیکھا۔ شراب کے دو گلاس آمنے سامنے دھرے تھے، بڑے انہماک اور سکون سے تاش کی بازی ہو رہی تھی۔ رحیمے نے یہ خبر ماماں ڈنگر کو یوں سنائی جیسے گردونواح میں کہیں ڈاکہ پڑ گیا ہو۔ ماماں ڈنگر نے یہ سن کر بڑی لاپروائی سے کہا۔'' وہ تو ہے ہی حرامی۔'' مولوی طوطا جو اپنا پان بیڑی کا خوانچہ سمیٹ کر چائے پی رہا تھا، بری طرح چونکا۔'' کیا کہا؟ کیا کہا؟''

مولوی طوطے نے پان تھوکتے ہوئے پوچھا۔'' شراب پی رہے ہیں؟''

''ہاں!'' رحیمے نے کسی اور کو پرسان حال نہ پا کر کہا۔'' اور کیا''

مولوی طوطا بناوٹی خوف واستکراہ سے بولا۔'' قیامت نزدیک ہے۔''

مولوی طوطا کلجھویں جلی ہوئی رنگت کا منحنی سا چھوٹے قد کا چگ دڑھیا غیر مقامی آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں پر عینک تھی، سر پر شملے دار پھینٹا اس کے دائیں طرف کے دانت بالکل غائب تھے، اور وہ ہر شے کو طوطے کی طرح کھانے پہ مجبور تھا، یہی وجہ تھی کہ عبدل نے اس کو مولوی طوطے کا خطاب دے رکھا تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

تھوڑی دیر بعد عبدل چپکے سے آیا اور نہایت پر اسرار انداز میں ایک حرف کہے بغیر کھانا لے گیا جس میں دو مرغیاں بھنی ہوئی، دو شور بے دار تھیں۔ سبزیوں کا سوپ تھا اور فروٹ کی جیلی جس کے بنانے میں ماماں ڈنگر کو کمال حاصل تھا۔

گھنٹہ بھر گزر گیا تو عبدل پھر اسی طرح واپس آیا اور کسی سفیر کی سی سنجیدگی سے برتن رکھ کر پھر واپس میم کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے ساتھ ہی ہر طرف ایک عجیب و غریب تجسس، ایک استفسار آمیز سناٹا، ایک خاموش سوال فضا پر چھا گیا۔

اور پھر ذرا سی دیر میں میم کے کمرے سے غیر ملکی موسیقی کی صدا آنے لگی۔ سب کے کان کھڑے ہوئے اور یکے بعد دیگرے رحیمے نے، کانے کریلے نے اور پھر مولوی طوطے نے دروازے کے پاس جا کر جھری سے اندر دیکھا۔ انھیں ایک عجیب و غریب سین نظر آیا۔ میم ریڈیوگرام کے پاس کھڑی تھی اور عبدل موسیقی کی لہروں پر تیرتا ہوا محو رقص تھا۔

''استغفر اللہ، استغفر اللہ۔'' مولوی طوطا بولا۔ ''قیامت نزدیک ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے پھر جھری سے آنکھ لگا دی۔

رات کافی گزر گئی۔ عبدل باہر نہیں نکلا۔ اس عرصے میں بے چینی کے مارے رحیمے کو جیسے سارے جسم پر کھاج نکل آئی۔ مولوی طوطے کی صورت پر احساسِ جرم کی چھاپ لگ گئی تھی۔ اس کا چہرہ ست گیا تھا، اور رات کی دھندلی جوت میں اس کی شکل کسی چور اچکے کی سی لگتی تھی۔ ان دونوں پر تجسس کا اضطراب طاری تھا۔

وہ ڈاک بنگلے کے احاطے میں خاموش بیٹھے تھے۔ مولوی طوطا حسب عادت پان چبا رہا تھا اور رحیما وہ گھٹیا سگریٹ پھونک رہا تھا جو اس نے مولوی طوطے سے ادھار لیے تھے۔

Marfat.com
Marfat.com

موسیقی کی لہروں کے ساتھ جب میم صاحب نے بے تحاشا قہقہوں کے پھول تیرنے لگے تو رحیما اٹھ کر جھری پر آ گیا۔ مولوی طوطا بھی دامن جھٹک کر پگڑی کا شملہ درست کر کے ساتھ ہو لیا۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے آنکھ لگا کر دیکھا۔ میم صاحبہ عبدل کی ٹوپی پہنے ناچ رہی تھیں۔

''لاحول ولا'' مولوی طوطا کہنے لگا۔ ''سکر کی حالت میں ہیں دونوں اور سکر حرام ہے۔''

''ابے تو میم صاب کی پنڈلیاں تو دیکھ مولبی'' رحیما سینے میں راز کی ہوا کھینچ کر منھم میں بولا۔ ''دودھ ملائی کی قلفیاں ہیں قلفیاں۔'' اور یہ کہتے کہتے رحیمے نے دوبارہ جھری سے آنکھ لگا دی۔ مولوی طوطا ایک بار پھر اندر جھانک کر بولا۔ ''یقیناً یہ سکر کی حالت میں ہیں دونوں لاحول ولا'' اب کے وہ دونوں وہاں سے ٹلے نہیں چپکے سے چار پانچ کش لیے مولوی طوطا دھیرے دھیرے پان چوستا رہا۔ سگریٹ پھینک کر جب رحیما دروازے کے پاس آیا تو مولوی طوطا بھی دم کی طرح اس کے ساتھ لگا چلا آیا۔ عبدل اور میم ہاتھوں میں ہاتھ دیے موسیقی کی تال پر انگریزی رقص کر رہے تھے۔

''ابے دیکھ تو کیا قسمت ہے میرے یار کی مولا قسم۔'' رحیمے نے جھری سے آنکھ ہٹا کر سرگوشی میں کہا۔ ''اللہ نے اس کی تقدیر سالے کی سونے کے پانی سے لکھی ہے۔''

''نعوذ باللہ!'' مولوی طوطے نے ایک بار اور جھری میں سے دیکھ کر اپنی چگی داڑھی سہلاتے ہوئے کہا۔ ''قیامت نزدیک ہے۔''

''ارے چھوڑو مولبی'' رحیمے نے آنکھیں پھیلا کر دیوانوں کی سی سرگوشی میں کہا۔ ''جرا دیکھ اس بلا کی پنڈلیاں۔''

Marfat.com
Marfat.com

مولوی طوطے نے پھر جھری سے آنکھ لگا دی اس نے دیکھا عبدل میم کو بانہوں میں جکڑے چومنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میم سر کو دائیں بائیں جھٹک کر ہنستے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ہلا اوئے میریا شیرا!'' رحیمے نے یہ سین دیکھ کر خوشی سے ایک چک پھیری لی اور اپنے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر چم چم چومنے لگا۔

ماماں ڈنگر کانے کریلے سے پیر دبوا کر جب سو چکا تو کانا کریلا دبے پاؤں وہاں سے کھسکا اور چپکے سے باہر چاندنی میں آ نکلا۔ جب وہ میم کے کمرے کے سامنے پہنچا تو اس نے عجب تماشا دیکھا، مولوی طوطا رو رہا تھا اور رحیما خوشی سے ناچ ناچ کر، لہک لہک کر اپنی انگلیوں کو آنکھوں سے لگا کر چومتے ہوئے دبی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''ہلا اوئے میریا شیرا، اوئے صدقے تیرے'' کانا کریلا حیران پریشان ان کے قریب پہنچا تو دونوں نے جیسے اسے دیکھا ہی نہیں۔ مولوی طوطا رو رہا تھا اور دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی آواز رقت سے لرز رہی تھی اور داڑھی آنسوؤں سے روشن تھی۔

رحیما جب اپنے رقص سے فارغ ہوا تو اس نے کانے کریلے کو بڑے بھولپن سے اپنے قریب کھڑے دیکھا۔ اسے دیکھتے ہی جیسے اس کے جڑوں میں آگ لگ گئی۔

''ہت تیرے کی مادر......'' رحیمے نے اس کے چوتڑوں پر اس طرح زور کی لات رسید کی گویا وہ انسان نہ ہو سچ مچ کا کانا کریلا ہی ہو کانا کریلا اس کی لات کو پی گیا۔ یہ شے ہی کیا تھی۔ اس نے ماماں ڈنگر کی بڑی بڑی ماریں کھائی تھیں اور انھیں دودھ ملائی کی طرح ہضم کر گیا تھا۔ ''بھاگ بے تیری......'' اسے دیکھ کر مولوی طوطے نے بھی پتھر اٹھا لیا کانے کریلے کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ سکا۔ وہ چپکے سے ایک طرف کو کھسک گیا اور کوٹھڑی کی طرف پلٹ جانے کا بہانہ کر کے دیوار سے لگا چھپ کر ان کی حرکات و

Marfat.com
Marfat.com

سکنات کا مشاہدہ کرنے لگا۔

کانا کریلا نظروں سے اوجھل ہو گیا تو رحیما بڑی بے قراری سے کانپتا ہوا بھاگا اور دس بارہ زقندوں میں پھر دروازے پر پہنچ گیا اور جھری میں اس انداز سے آنکھ لگائی جیسے بھوکا بچھڑا تھنوں پہ منہ مارتا ہو۔ دو منٹ تماشا دیکھنے کے بعد وہ پھر ناچتا، اچھلتا، کودتا بنگلے کے کشادہ صحن میں آ گیا۔ مولوی طوطا چوروں کی طرح ادھر ادھر دیکھتا دروازے کے پاس پہنچا اور جھری کے ساتھ آنکھ لگا دی۔

کانا کریلا یہ دیکھ کر اپنی کمین گاہ سے نکلا اور دروازے کے ساتھ آنکھ لگا کر اندر دیکھا۔ ایسے میں کانے کریلے کو اپنی ایک آنکھ کے بچ رہنے کی پوری اہمیت کا احساس ہوا۔ دو چار پل تماشا دیکھ لینے کے بعد رحیما پھر اسی طرح خاموشی سے ناچتا، تڑپتا، تلملاتا اپنے آپ کو دانتوں سے کاٹتا ہائے ہائے کرتا واپس چلا آیا۔ مولوی طوطا پگڑی کے شملے سے آنسو پونچھتا صحن میں آ کر زمین پہ بیٹھ گیا۔ پھر خاک پر سجدے میں جا گرا اور جانے کیا کچھ بڑبڑاتا رہا۔ کانا کریلا سوزے کی لیس ہو کر دروازے سے چپکا رہا۔ کچھ دیر بعد رحیما مولوی طوطے کو اس کے حال پر چھوڑ کر جب دروازے پر واپس آیا تو کانے کریلے کو اس کے ساتھ چپکا دیکھ کر اسے کان سے پکڑا اور اس کا ایک ہاتھ مروڑ کے اسے دو ایک گچھے گھونسے جماتا کوٹھڑیوں کی طرف لے آیا اور پھر غصے میں دانت کچکچاتے ہوئے زور کی ایک لات اس کی کمر میں دی اور پھر دھکا دے کر اسے ماماں ڈنگر کی کوٹھڑی کی طرف دھکیل دیا۔ ''مادر... کہیں کا... سور کا... اب کی بار وہ پلٹا تو مولوی طوطا پہلے سے ہی جھری سے آنکھ لگائے کھڑا تھا۔

کانا کریلا جو دوسری دیوار سے چھپ کر ان کو دیکھ رہا تھا۔ دبے قدموں دوڑتا ہوا آیا اور پھر جھری سے آنکھ لگا کر تماشا دیکھنے لگا۔ میم دونوں بانہوں میں منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔ عبدل شرارت آمیز مسکراہٹ سے گلاسوں میں دوبارہ

Marfat.com
Marfat.com

شراب انڈیل رہا تھا۔

''لے بے مولبی کہانی ادھوری ہی رہ گئی۔'' رحیمے نے دروازے سے ہٹ کر بہت مایوسی سے کہا اور نامرادی سے سر گھماتے ہوئے باہر ایک پتھر پر آن بیٹھا۔ مولوی طوطے نے کچھ نہ کہا۔ اس کی ہیجان افروز حیرانی سرد تھی اور طبیعت کی ساری رقت کافور ہو چکی تھی۔

ذرا سی دیر میں اندر سے پھر میم کے قہقہوں کی صدا آنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی رحیمے کا چہرہ چھن سے روشن ہو گیا جیسے بجھی ہوئی بتی دوبارہ جل جائے۔ مولوی طوطے میں بھی کچھ جان سی پڑ گئی۔ رحیما دروازے کی طرف لپکا مولوی طوطے نے بھی دائیں بائیں دزدیدہ نظریں ڈال کے اس طرف کی راہ لی۔ رحیمے نے اب پھر کانے کریلے کو کان سے پکڑا اور زور سے ایک مروڑا دے کر کشاں کشاں اسے ماماں ڈنگر کی کوٹھڑی کی طرف لے گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر رحیمے نے اسے اندر دھکیلا اور باہر سے کنڈی لگا کر بھاگتا ہوا واپس آیا اور بڑی بے قراری سے پھر جھری کے ساتھ آنکھ لگا دی۔ مولوی طوطے نے اس کی تقلید کی۔ انھوں نے دیکھا عبدل میم کو گدگدا رہا تھا۔ رحیما ہولے سے بولا: ''ہائے میں تیرے صدقے، اوئے میں تیرے قربان۔''

مولوی طوطا وفورِ جذات سے کانپ رہا تھا اس کے جسم میں تھرتھری تھی۔ اس نے اپنے دونوں سوکھے سوکھے ہاتھ زانوؤں میں دبا رکھے تھے جیسے بہت سردی لگ رہی ہو۔ رحیمے نے کہا۔ ''ابے مولبی۔''

''ہاں'' مولوی طوطا بات چیت کے موڈ میں بالکل نہ تھا اس کی آواز یوں آئی جیسے دور کسی کنویں کے اندر سے کوئی بولتا ہو۔

''مولبی'' رحیمے نے ایک سگریٹ سلگا کے آواز دی اور مولوی نے اسے مڑ کے دیکھا۔

Marfat.com
Marfat.com

''میں کہتا ہوں مولبی تقدیر ہے سالے کی۔''

''ہاں!'' مولوی نے رو کر کہا۔ ''حرام ہے۔''

''ابے چھوڑ تو حرام حلال کی باتیں مولبی اللہ بخش ہار ہے۔''

''اللہ بخش ہار ہے۔ اللہ بخش ہار ہے۔'' مولوی نے پھر طوطے کی طرح دائیں بائیں سر ہلا کے کہا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کے سسکنے لگا۔

پھر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

کانے کریلے کی آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی۔ وہ چپکے سے اس موکھے سے گھسٹ گھسٹ کر باہر نکل آیا جو پانی کے نکالنے کے لیے بنا تھا۔ باہر آ کر کانے کریلے نے پہلے تو صورتِ احوال کا جائزہ لیا اور پھر میدان صاف دیکھ کر دروازے کے ساتھ جا بیٹھا۔ مولوی طوطا اور رحیما پہلے ہی وہاں موجود تھے۔

اندر کا سین دیکھتے دیکھتے مولوی طوطا عالم خروش و مستی میں دروازے سے ہٹ کر اچھلتا کودتا باہر احاطے میں آ گیا اور عورتوں کی طرح اپنے کولہے دائیں بائیں مٹکا کر کہا۔ ''اوئی میں مر گئی، ہائے میں مر گئی۔'' رحیما بھی دبے قدموں اس کے پیچھے بھاگا اور خوشی کے مارے پاگل سا ہو کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکا دے کر کہا۔ ''اسے کہتے ہیں تقدیر۔''

مولوی طوطا اب میدان میں ناچ رہا تھا۔ بھاؤ بتا رہا تھا اور کولہے مٹکا مٹکا کر ہاتھوں کو دائیں بائیں ہلا ہلا کر ''ہائے میں مر گئی، اوئی میں مر گئی۔'' کہتا جاتا تھا جانے اس میں کیا رمز تھی۔ مولوی طوطا یہ حرکات بہت سنجیدگی اور بے خودی کے عالم میں سر انجام دے رہا تھا۔ جیسے اس پر کوئی جن سوار ہو پھر یکا یک اس نے دیوانوں کی طرح ایک زقند بھری اور چاروں طرف زور زور سے یوں ہاتھ چلانے لگا جیسے وہ کوئی مجاہد ہو اور حق و باطل کی آخری جنگ میں اپنے جوہر دکھا رہا ہو۔ مولوی طوطے کی اس حرکت پر

Marfat.com
Marfat.com

رحیمے کو تعجب نہیں ہوا ہنسی آ گئی۔ وہ مولوی کو اس کے حال پر چھوڑ کر پھر دروازے پر آیا اور کانے کریلے کو وہیں چپکا پایا۔

اب کی بار اس نے کانے کریلے کو کچھ نہ کہا۔ وقت بہت نازک تھا ادھر مولوی طوطے نے رحیمے کو جو غائب دیکھا تو چاروں طرف نظر کر کے دونوں ہاتھ پیچھے باندھے چوروں کی طرح دائیں بائیں دیکھتا دروازے کی جانب چلا۔ ہر طرف ایک بھیدوں بھری خاموشی چھا گئی۔

صبح رحیما جب سو کر اٹھا تو دھوپ ڈاک بنگلے کی دیواروں تک چڑھ آئی تھی۔ وہ آنکھیں ملتا کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ مولوی طوطا چیل کے پیڑ تلے خوانچہ جمائے بس کا انتظار کر رہا تھا۔ کانا کریلا بکریوں سے ٹکریں کھیل رہا تھا۔ ماما ڈنگر آلو چھیلنے میں مشغول تھا۔ میم کا کمرہ خالی تھا اور عبدل باورچی خانے کے سامنے پتھر پر بیٹھا گا رہا تھا۔

''دل دیاں گلاں ساڈے دل وچ ریاں''

❀ ❀ ❀

Marfat.com
Marfat.com

# سنہری زندگی

صبح پورے نو بجے برکت اللہ کنڈیالا کی کار کمپنی کی عظیم الشان عمارت کے احاطے میں داخل ہوئی، گیٹ پر کھڑے یونیفارم والے پہرے دار نے کار کو کھٹاک سے سیلوٹ کیا، موٹر کار اندر مڑ کے ٹھہر گئی، شوفر نیچے اترا اور دروازہ کھول کے آداب بجا لایا، مسٹر کنڈیالا خاموشی سے سگار پیتے ہوئے نکلے اور لفٹ کی جانب چلے، لفٹ مین نے انھیں سلام کیا اور پھرتی سے لفٹ کا آہنی دروازہ کھول دیا، مسٹر کنڈیالا سرکس کے شیر کی طرح لفٹ کے پنجرے میں سما گئے۔ لفٹ اوپر کو سرکنے لگی، سب سے اوپر والی منزل پر مسٹر کنڈیالا لفٹ سے باہر نکلے اور خراماں خراماں اپنے چیمبر میں آن براجے۔ ان کی حسین وجمیل پرائیویٹ سیکرٹری مس لوڈ والا نے انھیں گڈ مارننگ کہا، بجلی کی کیتلی میں کافی بنائی اور پیالی مسٹر کنڈیالا کے سامنے رکھ دی۔

ایئر کنڈیشنڈ چیمبر میں بیٹھے مسٹر کنڈیالا، جنرل منیجر پول ہاور انٹرنیشنل کمپنی نے کافی کا ایک گھونٹ بھرا، سگار کا کش لیا اور سامنے رکھے ہوئے نادر و نایاب قسم کے ایش ٹرے میں گل جھاڑ دیا۔

Marfat.com
Marfat.com

مسٹر کنڈ یلا کافی نوش کر چکے تو مس لوڈ ولا نے شیشے کے گلاس میں پانی اور ہائی بلڈ پریشر کی دوا کی ٹکیاں سامنے لاکر رکھیں جو وہ بچوں کی سی اطاعت کے ساتھ نگل گئے، اس کے بعد انھوں نے چیف اکاؤنٹنٹ کو طلب کیا اور انکم ٹیکس کی فائلوں پر باز پرس کرنے لگے، بڑی دیر تک اکاؤنٹنٹ منمنا کر، گھگھیا کر قانون کے حوالے دیتا رہا، مسٹر کنڈ یلا چھنگاڑ کر، غرا کر قانونی حوالوں پر ان سے بچنے کی ترکیبیں بتاتے رہے اور جب اکاؤنٹنٹ بالکل لاجواب ہو کر گنگ ہو گیا اور مزید کچھ کہنے کے قابل نہ رہا تو اس نالائق کو دھتکار کر کمرے سے باہر نکال دیا۔

مس لوڈ ولا نے پھر کافی تیار کی اور اس میں سکرین ملا کر مسٹر کنڈ یلا کے سامنے رکھ دی۔ معاً فون کی گھنٹی بجنے لگی، دوسری طرف ان کا جاکی گھبرایا ہوا، ممیا رہا تھا۔ ان کا گھوڑا بیمار تھا اور اب کی بار ریس میں شرکت نہیں کر سکتا تھا۔ اب تو مسٹر کنڈ یلا بہت ہی بگڑے انھوں نے جاکی کو وہ بے نقط سنائیں کہ بے چارا چوکڑی بھول گیا اور ناچار انھیں دوسرے گھوڑوں پر کھیلنے کے ٹپ دینے لگا۔ مسٹر کنڈ یلا نے جھلا کر، بھنا کر، رسیور کو دھڑام سے واپس رکھ دیا۔ پھر انھوں نے گھڑی دیکھی اور کانفرنس روم کی طرف چلے، جہاں کمپنی کے ذمہ دار افسر کمپنی کے ڈائریکٹروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ مسٹر کنڈ یلا نے اپنے بریف کیس میں سے تمام ضروری کاغذات نکالے اور تقریر شروع کی۔ ڈھائی گھنٹے مسلسل بولتے رہنے کے بعد انھوں نے کانفرنس میں شرکت کرنے والے مندوبین کو نقشوں اور گوشواروں کی مدد سے سمجھایا کہ ان کا سرمایہ محفوظ ہی نہیں بلکہ زبردست منافع بھی دے رہا ہے، چنانچہ سب ڈائریکٹروں نے اپنا انکم ٹیکس سے چھپا ہوا سرمایہ کمپنی میں لگانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

مسٹر کنڈ یلا جب اپنے چیمبر میں پہنچے تو مس لوڈ ولا نے دو بسکٹ ایک نیم برشت انڈا اور کریم نکالے دودھ کا آدھا گلاس ان کے سامنے لا رکھا، پھر پانی کے

Marfat.com
Marfat.com

ساتھ ایک کیپسول پیش کی جس میں ہاضمے کے اجزا مضمر تھے، انھوں نے گولی نگلی اور اپنی کرسی سے اٹھ کر آرام کرسی پر لیٹ گئے، مس لوڈ والا نے کھڑکیوں کی جھلملیاں گرادیں، مسٹر کنڈیلا نے آنکھیں موندلیں۔

مس لوڈ والا نے جب کھڑکیوں کی جھلملیاں دوبارہ چڑھائیں تو یکا یک ایک روشنی کی لہر آئی اور ان کی غنودگی کو بہا لے گئی، وہ اٹھے اور اپنی گھومنے والی کرسی پر آ کر کام میں مصروف ہو گئے۔

سوا چار بج گئے تو مس لوڈ والا نے انھیں بتایا کہ آج وہ دفتر میں معمول کے مطابق دیر تک نہیں بیٹھیں گے، آج ان کی اپنی بیوی مسز دیناز کنڈیلا کے ساتھ اپائنٹمنٹ ہے اور انھیں آج ہوٹل ڈی کس میں نہایت اہم کاک ٹیل پارٹی میں شرکت کے لیے جانا ہے۔ یہ سن کر وہ مسکرائے، اپنے ہاتھ سے قلم رکھ دیا اور گھومنے والی کرسی کا رخ کھڑکی کی جانب کر دیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہمارے لیے کافی لاؤ، مس لوڈ والا سب سمجھتی تھی۔

کافی پی کر وہ اپنی گھومنے والی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے، مس لوڈ والا کو چھٹی دے دی اور ٹائلٹ روم میں چلے گئے، منہ دھویا، بھووں کے موٹے موٹے خضاب زدہ بالوں پر برش پھیرا، تیار ہو کر سگار سلگایا اور اپنے چیمبر سے باہر نکل آئے۔

کاک ٹیل پارٹی میں جب مسٹر کاؤس جی مہتاب بھائی کانپور والا سے ان کی ملاقات ہوئی تو مسٹر کنڈیلا نے اس تجریدی رقص پر مسٹر کاؤس جی کو مبارک باد پیش کی جو ان کے زیر اہتمام تھیٹر ہال میں منعقد ہوا تھا۔

مسٹر کنڈیلا نے اس رقص پر تبصرہ کرتے ہوئے رنگوں سے سمبلزم پر روشنی ڈالی، کرداروں کے لباس کی تعبیروں پر تبصرہ کیا اور اس سین پر سر دھننے لگے جس میں مشہور عالم رقاص اور رقاصائیں گزوں اونچی چھلانگیں لگاتے ہوئے قلابازیاں

Marfat.com
Marfat.com

کھاتے، ایک فٹ بال کا تعاقب کرتے دکھائے گئے تھے، کسی کردار نے چیتے کی کھال پہن کر لومڑ کی دم لگائی تھی، کسی نے بیس بال کے کھیل کا لباس پہنا تھا، کوئی بیسا کھیاں لیے چل رہا تھا اور کوئی کاسۂ گدائی لیے لنگڑا رہا تھا، اس رقص کی داد میں تالیوں کے کئی راؤنڈ بجائے گئے تھے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ مسٹر کاؤس جی ان کی تنقید اور تبصرے سے بہت مرعوب ہوئے تب مسٹر کنڈیلا بڑی فنکاری سے گفتگو کو بزنس کی طرف لے گئے۔

اس طرف سے فارغ ہو کر مسٹر کنڈیلا نے سگار سلگایا تو ایسے میں اچانک ان کی نگاہ مسٹر طیب جی کانڈا والا پر جا پڑی جو دور ایک درخت کے نیچے الگ تھلگ کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں چمڑے کے دستانے تھے، دائیں ہاتھ پر ایک افریقی طوطا بیٹھا تھا اور وہ اس سے کھیل رہے تھے۔ یہ دیکھ کر مسٹر کنڈیلا کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔

''مسٹر کانڈا والا'' وہ غصے سے کانپتے ہوئے ان کے قریب جا کر ناگواری سے بولے:

''......مسٹر کانڈا والا آپ سوسائٹی کے مقدس آداب اور انٹرنیشنل کلچر سے بالکل ناواقف ہیں۔'' مسٹر کانڈا والا طوطے سے کھیلتے ہوئے یکایک چونک پڑے، مسٹر کنڈیلا بولے: ''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کاک ٹیل پارٹی میں کوئی شخص مرغا، بٹیر، طوطا یا کتا وغیرہ اپنے ساتھ نہیں لا سکتا۔ میں اپنا جان سے پیارا نیولا گھر پر ہی چھوڑ کے آیا ہوں اور میری بیوی اپنا وہ کتا ساتھ نہیں لا سکی جو اس کو مجھ سے بھی زیادہ پیارا ہے۔'' مسٹر کانڈا والا گھبرا گئے، ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ روہانسی آواز میں بولے۔

''مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے، لیکن کیا کروں، اس طوطے کے بغیر میرا ایک پل بھی جی نہیں لگتا، یہ میری بے وفا یورپین محبوبہ کا طوطا ہے۔''

''تو کیا یہ طوطا کسی یورپین کا ہے؟'' یکایک مسٹر کنڈیلا نے گھبرا کر تاسف سے پوچھا۔

Marfat.com
Marfat.com

''ہاں'' مسٹر کانڈا والا نے پیار سے طوطے کا سر کھجاتے ہوئے کہا۔

''اخاہ'' مسٹر کنڈیلا بڑی محبت سے طوطے کے پروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ ''معاف کیجیے گا، مجھے معلوم نہ تھا۔ کتنا پیارا اور حسین پرندہ ہے۔ اس کا لائف انشورنش کروا لیجیے تاکہ اس کی موت کی صورت میں آپ کو صدمہ نہ ہو۔'' مسٹر کنڈیلا نے ایک بار اور معافی مانگی، طوطے کو جھک کر سلام کیا، اور اپنا خالی جام دوبارہ بھر کے کنور آصف کے پاس جا پہنچے۔ کنور صاحب ریشم کی صنعت کی ایسوسی ایشن کے چیئرمین تھے۔ انھیں نیومرالوجی کا جنون تھا۔ وہ کوئی کام اس علم کی مدد کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مسٹر کنڈیلا نے ان کے نام کے اعداد نکال کر انھیں پول ہارڈ انٹرنیشنل کے اعداد کے برابر ثابت کیا، پھر اپنے نام کے اعداد نکالے اور انھیں کنور صاحب کے نام کے برابر کر دکھلایا، پھر اپنے ریس کے گھوڑے کے اعداد نکال کر کنور صاحب کے گھوڑے کے اعداد سے ملائے۔ کنور صاحب اس شعبدہ بازی سے بہت ہی محظوظ ہوئے، تب مسٹر کنڈیلا نے سرراہے بزنس کی بات چھیڑ دی اور کنور صاحب نے انھیں یقین دلایا کہ وہ تمام دوسری کمپنیوں سے اپنے تجارتی معاہدات منسوخ کرنے پر سنجیدگی سے غور کریں گے۔ مسٹر کنڈیلا اس وعدے پر بہت خوش ہوئے اور ان سے رخصت چاہی۔

پارٹی کے جمگھٹے سے کچھ دور مسز کمپالا مہتا ایک ہاتھ میں گلاب کا پھول اور دوسرے میں شراب کا گلاس لیے آرکسٹرا کی نئی دھن پر سر دھن رہی تھیں۔ ان کے کولہے مٹک رہے تھے، سینہ دھڑ دھڑ ہل رہا تھا۔ پنڈلیاں تھرک رہی تھیں۔ ان کے پاس ان کے اپنے شوہر مسٹر جوالا جی کمپالا مہتہ کے تمام بزنس سیکرٹ تھے، لہٰذا وہ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح کھیلتے تھے۔ مسٹر کنڈیلا کو یہ سب کچھ معلوم تھا، ان کی ذہین، سوشل، باہوش اور باخبر رفیقہ حیات یہ سب کچھ انھیں بتا چکی تھیں۔ چنانچہ مسٹر کنڈیلا بھی آرکسٹرا کی دھن پر کمر لچکاتے، اپنے بھاری بھرکم کولہے مٹکاتے ایک ہاتھ

Marfat.com
Marfat.com

سے چٹکی بجاتے، مسز کمپالا مہتہ کی طرف لپکے، وہ انھیں اس انداز میں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولیں۔ ''کہو کیا چاہتے ہو؟'' مسٹر کنڈیلا نے دیکھا کہ ان کی زبان لڑکھڑا رہی ہے اور وہ آؤٹ ہو چکی ہیں۔ انھوں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ یہ مسٹر مہتہ کے بزنس سیکرٹ معلوم کرنے کا بہترین موقعہ تھا۔ مسٹر کنڈیلا کافی دیر تک مسز مہتہ کے ساتھ فلرٹ کرتے رہے اور سرخرو ہو کر لوٹے۔

اب مسٹر کنڈیلا نے دیکھا، سامنے سے مسٹر اے، ڈی ایل مٹھو چلے آرہے ہیں، وہ ان کے پرانے یار اور ایک مشہور بنک کے مینجر تھے، ان کے ہمراہ ان کی حسین اور جواں سال بیوی مسز لیوکا مٹھو تھیں، ان دونوں نے ان کی طرف دیکھا اور پھر یہ چاروں ایک دوسرے کو دیکھ کر یکا یک خوشی سے پاگل ہو گئے اور لگے بے تحاشا شور مچانے۔ مسٹر کنڈیلا مسٹر مٹھو کو گرمجوشی سے جھنجھوڑنے لگے۔ مسز دیناز، مسز لیوکا مٹھو سے ایسے گھل مل کر باتیں کرنے لگیں گویا ان کے بغیر یہ پارٹی مہمل، بے کار اور بے معنی تھی۔ وہ دونوں ایک ہی محکمے میں ملازم ہوئے تھے اور پھر محنت و جگر کاوی سے زندگی میں بلند مقام حاصل کر کے ایک ساتھ اپنی اجڈ اور گنوار بیویوں کو طلاق دے کر نیا بیاہ رچایا تھا۔ جب مسٹر مٹھو مسز لیوکا کے ساتھ رخصت ہو چکے تو مسٹر کنڈیلا مسز دیناز سے سرگوشی میں بولے: ''بڑا پاپی حرامزادہ آدمی ہے، اس کا باپ حجام تھا۔'' مسز دیناز آہستہ سے بڑبڑائیں۔ ''بڑی کمینی عورت ہے، میں اس کے سب سکینڈلز جانتی ہوں۔'' ادھر مسٹر مٹھو مسز لیوکا سے کانا پھوسی میں مصروف تھے۔ ''بڑا بدذات، فریبی، دغا باز انسان ہے، اس کا باپ دھوبی تھا۔'' مسز لیوکا نے آہستہ سے کہا۔ ''بڑی نیچ، واہیات عورت ہے، میں اس کے سب سکینڈلز جانتی ہوں۔''

مسٹر کنڈیلا، مسز دیناز کو مسٹر رستم سے باتیں کرتے ہوئے چھوڑ کر راجہ تہور علی خاں کے پاس پہنچے تو وہ احباب کو ایک جنسی شعر سنا کر داد حاصل کر رہے تھے، مسٹر کنڈیلا

Marfat.com
Marfat.com

ان کی افتادِ طبع کو اچھی طرح سمجھتے تھے، لہٰذا آگے بڑھ کر انھوں نے اسی ضمن میں ایسی بات کہہ دی کہ راجہ صاحب یک دم لوٹ گئے اور مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ جب وہ اس بات سے پوری طرح لطف اندوز ہو چکے تو مسٹر کنڈیلا سے بولے۔ ''مجھے افسوس ہے کہ آپ کا گھوڑا بیمار ہو گیا۔'' مسٹر کنڈیلا اداس ہو گئے اور پوچھا: ''اب کی بار آپ کس پر کھیل رہے ہیں؟''

''شہ زور پر'' راجہ صاحب اپنا ایک سیکرٹ بتا کر بولے، کیونکہ وہ مسٹر کنڈیلا کی بتائی ہوئی بات سے بہت خوش تھے۔

''میں اب کی بار، ''ازوری'' پر بازی لگا رہا ہوں۔'' مسٹر کنڈیلا نے کہا حالانکہ وہ اتنے نشے میں نہ تھے کہ انھیں معلوم نہ ہوتا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں، اس کے برعکس وہ بخوبی جانتے تھے کہ ''ازوری'' کا ایک پھیپھڑا کام نہیں کرتا اور وہ لمبی دوڑ میں ناکارہ ہے۔ اس ٹپ پر انھوں نے صبح اپنے جاکی کو دھتکار دیا تھا۔

''مجھے افسوس ہے، مسز راجہ کو کلاسٹروفوبیا ہو گیا'' مسٹر کنڈیلا نے جھوٹ موٹ غمزدہ ہو کر کہا۔

''سوشل ورلڈ کے ادارے نے اسے سالِ رواں کا سب سے بڑا سانحہ قرار دیا ہے، سائیکیا ٹرسٹ کہتا ہے کہ ان کی لی بی ڈو خیہ تسکین شدہ ہے، اور ان کی ایگو اور سپر ایگو میں کانفلکٹ نمایاں ہے۔'' مسٹر راجہ نے دکھ بھرے لہجہ میں کہا اور مسٹر کنڈیلا کو اپنی تیسری شادی کا پلان نہیں بتایا۔ مسٹر کنڈیلا وہاں سے ہٹ آئے اور کپڑے کے سب سے بڑے صنعت کار جالو بھائی گجراتی سے مل کر کمپنی کے معاہدوں کو سالِ رواں کے لیے دوبارہ تازہ کرنے کی پیش کش کی۔ اس طرف سے کامران ہو کر مسٹر کنڈیلا نے دل ہی دل میں اس خفیہ کمیشن کا اندازہ کیا جو بزنس پر کمپنی کی طرف سے ان کو دیا جاتا تھا۔ اس معقول رقم کا اندازہ کر کے مسٹر کنڈیلا خوشی سے پھول گئے۔

Marfat.com
Marfat.com

ہوٹل ڈی لکس کا آرکسٹرا اب رقص کی گت بجانے لگا۔ جوڑے ناچنے کے لیے فلور کی جانب بڑھنے لگے۔ مسٹر کنڈیلا نے گھڑی دیکھی اور مسز دیناز کو چلنے کا اشارہ کیا۔ انھوں نے مسز دیناز کو بتایا کہ آج وہ رقص میں شرکت سے معذور ہیں، انھیں ایک اہم کلائنٹ کے ساتھ برج کھیلنا ہے، وہ رات کو دیر سے آئیں گے، کھانے پر ان کا انتظار نہ کیا جائے۔ مسز دیناز کار میں بیٹھ کر گھر کو روانہ ہوگئیں اور مسٹر کنڈیلا کمپنی کی گاڑی میں اپنے اہم کلائنٹ کے پاس چلے گئے۔

وہ اہم کلائنٹ ان کی شعلہ رخ سیکرٹری مس لوڈولا، نشے میں ڈوب کر شب خوابی کے لباس میں مسٹر کنڈیلا کا انتظار کر رہی تھی۔ مسٹر کنڈیلا کمرے میں داخل ہوئے تو اس نے ان کے گلے میں باہیں حمائل کر دیں۔ ''ڈارلنگ! تم آخر اپنی بیوی کو طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟''

''تمھارے لیے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں سویٹی۔'' مسٹر کنڈیلا بڑے پیار سے بولے۔

''پر کیا کروں، میرے تمام بزنس سیکرٹ اس کم بخت کے پاس ہیں۔''

''تو پھر اسے سمندر میں دھکا دے دو۔''

''کاش کہ میں یہ کر سکتا ڈارلنگ۔''

''تو پھر کوئی اور صورت نکالو۔''

''ہمارے پاس اس کے سوا اور کیا صورت ہے کہ اسی طرح ملتے رہیں ڈارلنگ اور خدا سے دعا کریں کہ وہ ہماری اس مقدس محبت کو قائم و دائم رکھے۔''

آدھی رات ہوگئی اور مسٹر کنڈیلا خوب اچھی طرح برج کھیل چکے تو انھوں نے لباس تبدیل کر کے گھر جانے کی ٹھانی۔ اپنی شان دار کوٹھی کے عقب میں پہنچ کر انھوں نے جیب سے چابی نکالی اور نہایت خاموشی سے عقبی دروازہ کھول کر پائیں باغ

Marfat.com
Marfat.com

ڈرتے ہوئے دبے پاؤں اپنی خواب گاہ کے دروازے پر آئے، کمرے میں روشنی دیکھ کر وہ ٹھٹکے اور جب ان کو اندر سے کسی کے باتیں کرنے کی آواز آئی تو انھوں نے چوروں کی طرح اندر جھانک کر دیکھا، ایسے میں ایک مضبوط ہاتھ ان کے شانے پر پڑا اور پولیس افسر نے کہا ''آپ کو بجلی چوری کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔''

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# کافر

دادل خان بلوچ کا نیل سوہنا برفیلے بلند کوہسار کی مانند جمالی اور جلالی صفات کا ایک حسین امتزاج تھا۔ رنگ سفید، بدن پکے بادام سا، گردن بلوط کا تھم، کوہان پہاڑ پر قلعہ! بانکے بل کھاتے سینگ، پھن اٹھائے کالے ناگ! سرمگیں آنکھوں کے کٹورے سیاہ، جو شب تار میں جلتے چراغ بن جائیں، قرمزی تھوتھنی کے مسام بکھرے بکھرے، گہرے گہرے، گویا بے چھوئی ملائم ریت پر برسات کی پہلی بوندیں! لمبی مخروطی دم کا گچھا گھور کالا، مگر دیے کی طرح اودیتا، چم چم چمکتا ہوا۔

ان سنگلاخ پہاڑوں کی آبادیوں میں جہاں بادام کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں بہنے والے چشموں کا پانی انگور کے رس کی طرح میٹھا تھا، دادل اور سوہنا چاند اور چکور کی طرح مشہور تھے۔

جب کبھی دادل سوہنے کو لیے باہر نکلتا تو اپنے دلبر کی اٹھان اور اس کی مست متوالی چال دیکھ کر ایک بے پناہ جذبے کی سرمستی سے مخمور ہو جاتا اور اس کے پیروں میں بندھے گھونگھروؤں کی چھن من، چھن من تال پر لہک لہک کر، بہک بہک کر،

Marfat.com
Marfat.com

بدمست شرابی کی طرح رقص کرنے لگتا۔ بستی کی ناریاں کھڑکیوں اور روزنوں سے انھیں دیکھنے لگتیں اور ساری بستی کے بچے خوشی سے ناچتے ہوتے اور ان کے پیچھے تالیاں بجاتے چلے آتے۔

شام کے وقت جب وہ سوہنے کو بستی کے چشمے پر نہلا رہا ہوتا تو اس کے گرد بلوچوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے۔ تب داول سوہنے کی ایک ایک عادت، ایک ایک صفت کو حدیث دلبری کی طرح بیان کرتا اور اس کے مزاج کی باریک تفسیریں کرنے لگتا۔

"میرا سوہنا عاشق خدا جلالی درویش ہے … ذرا دیکھو تو اس کے سینگ بل کھا کر مسجد کی محراب بن گئے ہیں۔ اس کا ماتھا منبر ہے اور کان مینار ہے۔" ایسے میں وہ بے حد جذباتی ہو جاتا اور اپنی ارمانوں بھری آواز میں کہتا۔" اور اگر خدا چاندی کے اس پہاڑ میں پارہ بھر کے اور اس کی اداؤں میں بجلیاں قید کر کے داول کو یہ تحفہ نہ بخشتا تو وہ نہ جانے کس قدر بدنصیب انسان ہوتا۔ تب تو واقعی داول کی زندگی ببول کے جنگل کی طرح ویران ہوتی۔ وہ کبھی فخر سے سینہ پھلا کر نہ چلتا، نہ وہ بوٹے دار سرخ صدری پہنتا، نہ زری دار کلاہ ماتھے پر ترچھی کر کے جماتا، نہ کبھی بڑی گھیردار شلوار سلواتا، نہ اتنے چاؤ سے تلے دار جوتے بنواتا۔" سوہنے کی الفت میں داول نے گیت اور ٹپے بنا ڈالے تھے۔

"سوہنا حسن کی مورت ہے اور میں اس کا پجاری
مجھے اس میں پروردگار دو عالم کے ازلی جمال کا پرتو نظر آتا ہے۔
تمھیں قسم ہے زاہدو، مجھے کافر نہ کہو۔" تپتی ہوئی سونی اور ویران دوپہروں میں داول اکثر یہ ٹپے گایا کرتا، تب اس کی بھاری آواز ساری بستی کا احاطہ کر لیتی اور ایسے لگتا جیسے پتھر، پہاڑ، درخت اور پودے داول کا یہ نغمہ سنتے سنتے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے ہیں۔

چاندنی راتوں میں جب داول معمول کے مطابق صبح کاذب کے وقت جاگتا

Marfat.com
Marfat.com

[illegible]

Marfat.com
Marfat.com

نے ہی ایک چشموں پر اس کا قبضہ و تصرف تھا۔ ان چشموں پر آبیانہ وصول کر کے وہ اپنے خزانے بھرا کرتا۔ لوگ اسے پانی کا تاجر کہتے تھے۔ داول سے اس کی دشمنی اور رقابت ضرب المثل بن کر خلق کی زبان پر تھی۔ سردار سوہنے کا عاشق تھا اور اسے کسی قیمت پر بھی حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ داول کسی طرح قابو میں نہ آیا تو اس نے چوری چھپے اس کی کھڑی کھیتیوں کو آگ لگوائی اور اس کے پھلدار درخت آروں اور کلہاڑیوں سے کٹوا کر ڈھیر کر دیے۔ لیکن جب فصل کٹی تو بستی کے جوانوں نے سب سے پہلے داول اور سونے کا حصہ نکالا اور داول کی جھولیاں غلے سے بھر دیں۔ بستی زرینا داول کے دل کی دھڑکن بن گئی اور سوہنا اس بستی کے بلوچوں کی محبت کا نشان!

اب سردار اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کے لیے پہلے سے بھی زیادہ ہاتھ پیر مارنے لگا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب کی بار میلے کے جشن میں سر جھکا کر چلے اور اس پر آوازے کسے جائیں۔ چنانچہ اب اس نے اپنے طور طریقے بدلے۔ داول کو ہمیشہ کے لیے آبیانہ معاف کر دینے کی پیش کش کی، اپنی دوستی کا یقین دلایا، بھیڑوں کے گلے پیش کیے مگر داول ہر مرتبہ حقارت سے ہنس دیا۔

ایک روز شام کے وقت جب داول سوہنے کو چشمے پر نہلا رہا تھا اور چشمے پر کھڑے جوانوں کے ہجوم سے بدستور سوہنے کی تعریف و ثنا میں مشغول تھا کہ معاً اس کی نظر دور پہاڑیوں پر جا پڑی۔ فوراً اس کی طبیعت منغض ہو گئی وہ دور پہاڑیوں پر اشارہ کر کے بولا۔ "دیکھو دیکھو، سردار رستم خان پھر آ رہا ہے کم بخت بھلا تم ہی بتاؤ یارو، سونے کی یہ سنہری ڈور اس کے مردار ہاتھوں میں تھمائی جائے گی؟ یہ رو حسن تو عشق کی ملکیت ہوتا ہے۔ دنیا میں سب دھاندلی چل جاتی ہے۔ عشق پر تو کسی کا زور نہیں چلتا یہ پدر سوختہ اس رمز کو کیا جانے۔" ایسے میں داول نے سرد آہ بھری اور بستی کے بوڑھے شب زندہ داروں کے سامنے سردار کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ داول کو شر سے

اور کافر سمجھتے تھے کیونکہ وہ شوق و مستی میں سونے کو سجدے کرتا تھا۔ اتنے میں سردار استم خان قریب آ گیا۔ دادل کی نظر گماشتے کے ہاتھوں میں چمڑے کی تھیلی پر پڑی اور اس سے پہلے کہ سردار کچھ کہتا دادل درشتی سے بولا: ''سردار دولت بہت ہوگئی ہے تو اللہ میاں سے چاند ستارے خرید لو۔ سونے کے بدلے اگر تم اپنا دل بھی نکال کر دو گے تو میں اس کالے دل کو چیل کوؤں کے آگے ڈال دوں گا۔'' سردار نے خجالت سے مجمع پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور جوانوں کے کاندھوں پر ٹکے ہتھیاروں کی چمک دیکھ کر چپکے سے واپس جانے کا ارادہ کر لیا۔ ابھی وہ چار قدم ہی گیا ہوگا کہ جوانوں کے ایک زوردار ٹھٹھے نے اس کا پسینہ چھڑوا دیا اس نے پیچھے مڑ کر ان سب کو سانپ کی سی زہریلی نظروں سے دیکھا اور چپکے سے آگے کھسک گیا۔

صبح سویرے یہ خبر بستی میں آگ کی طرح پھیل گئی کہ چشمہ سوکھا پڑا ہے۔ بستی کی کنواریوں کی ٹولیاں سر نہوڑائے خالی گاگریں لیے چشمے سے مایوس اور ماتم کناں واپس آ رہی تھیں۔ بستی والوں نے آس پاس کے ٹیلوں پر چڑھ کر دیکھا، راتوں رات چشمے کا رخ موڑ کر اسے بستی کی سرحد سے دور کھائیوں اور چٹانوں پر آوارہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان کا محبوب، نازک بدن، معصوم چشمہ چٹانوں سے آبشار بن کر گر رہا تھا، پتھروں سے ٹکرا کر بلک رہا تھا، بیابان کی خاک میں مل رہا تھا۔

اور پھر چار دنوں ہی میں سارا گاؤں مویشیوں کی کربناک آوازوں سے بلبلانے لگا، گھروں سے بچوں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں، عورتیں چپکے چپکے سسکنے لگیں اور بستی کے سب جوانوں پر مردنی چھا گئی۔

اس سے قبل کہ جوان بندوقیں لے کر سردار کی گڑھی پر دھاوا کرتے۔ دادل نے استم خان کو کہلوا بھیجا کہ اگر وہ بستی کا چشمہ واپس دے دے تو وہ سوہنے کو اب کے برس میلے میں زیادہ سے زیادہ مول ڈالنے والے کے سپرد کر دے گا۔

Marfat.com
Marfat.com

زرعی سال ختم ہوا، فصل کٹ گئی، خشک پھول اور سوکھے گلاب ذخیروں میں اٹھا دیے گئے تو ہر بستی نے دھوم دھام سے میلے کی تیاری شروع کی۔ کاشت کار اجناس کی خرید و فروخت کے منصوبے تیار کرنے لگے۔ غلے اور پھل لے جانے اور ڈھونے کے انتظام میں منہمک ہوئے۔ گلہ بانوں نے چیدہ چیدہ جانور چھانٹے اور انھیں بنانے سنوارنے میں مشغول ہو گئے۔ اونٹوں کے بال تراش تراش کر قینچی سے خوب صورت نقش و نگار بنائے گئے، دنبوں کو مہندی لگائی گئی اور گھوڑوں کے ایال سنوارے گئے۔ مرغ، تیتر اور بٹیر پالیوں میں لڑائی کے لیے تیار ہوئے۔ علاقے کی تمام بستیوں کے بلوچوں نے سانڈنیوں کی دوڑ، نیزہ بازی، شہسواری، اور زور آزمائی، نشانہ بازی اور مصنوعی شمشیر زنی کے مقابلوں کے لیے اپنے اپنے جوان منتخب کیے اور مقررہ تاریخ پر میلے میں آن پہنچے۔

میدان میں میلے کی روح سوہنا تھا، جو کھونٹے سے ایک مضبوط تھم سے بندھا تھا، وہ مستی اور جوش کے عالم میں تھا، اس کی بوٹی بوٹی پھڑک رہی تھی، آنکھیں شعلہ زن تھیں، وہ غصے کے مارے بار بار زمین پر سینگ پٹختا اور اپنے ارد گرد لگی بھیڑ کو دیکھ کر خوفناک آوازیں نکالتا۔ دور و نزدیک سے آئے ہوئے بلوچ گھنٹوں کھڑے اسے دیکھ کر عش عش کیا کرتے۔ راتوں کو سوائے سوہنے کے بلوچوں کے پاس بات چیت کے لیے کوئی اور موضوع نہ رہتا۔ ساری فضا ایک انتظار، ایک انتظار سے بھری تھی۔ سوہنا اب کس کے ناموس کی زینت ہو گا؟

اور جب اجناس اور غلے کے انبار اٹھ گئے، اور بھیڑوں، اونٹوں اور مویشیوں نے اپنے اپنے مالکوں کو بدل لیا، اون خچروں پر لد کر منڈی میں پہنچ گئی، بٹیروں، تیتروں اور مرغوں نے پالیاں ماریں، کشتیں جیتیں اور ہاریں، جا بجا طرح طرح کے مقابلوں میں پرانے نام مٹے، نئے نام پیدا ہو چکے تو جشن کے آخری روز

Marfat.com
Marfat.com

اب کے برس کا سب سے اہم سوال کا طے ہونا قرار پایا کہ فطرت کا شاہکار سوہنا کس بلوچ کا سہرا بنے گا؟ اس مقصد کے لیے صبح سویرے ہی ایک اونچے چبوترے پر مسند لگا دی گئی تھی، جہاں علاقے کے تین سفید ریش بزرگ جو سراپا ایمان، علم اور تقوے کی تصویر تھے، منتخب ہو کر بیٹھے۔ چبوترے کے سامنے سوہنا ایک تھم سے بندھا اپنے آپ کو رسیوں کی بندش سے آزاد کرانے کی کوشش میں مشغول نظر آتا تھا۔ چبوترے کے ایک طرف سرداروں اور بولی دینے والے تونگروں کے خیمے ڈیرے تھے۔ گرداگرد علاقے بھر کی بلوچی بستیوں کے جوان ہتھیار سجائے کھڑے تھے۔ بندوقیں بھری ہوئیں تھیں، خنجر آبدار تھے، نیزوں کے سرے صبح کی روشنی میں ہیروں کی طرح چمک رہے تھے۔ بلوچوں کے دل بے قراری سے دھڑک رہے تھے۔ فضا ایک تکلیف دہ تجسس واضطراب سے بھری تھی۔ یکا یک طبل پر چوٹ پڑی اور میلے کے بڈھے نقارچی نے اپنے مخصوص طرز بیان اور طرز ادا میں پہلے تو بلوچوں کو چاند اور چکور، سوہنے اور دادل کی کہانی سنائی، پھر رمزیہ انداز میں سردار استم خان کی رقابت کا ذکر کیا اور پھر اشاروں کنایوں میں عشق وہوس کی ازلی جنگ کا ذکر چھیڑ کے بلوچوں کو بتایا کہ آج نظر خریداری کی آزمائش ہے۔

دوپہر سے لے کر شام تک سوہنے وسونے چاندی کے مول تولا جاتا رہا۔ ہر قبیلے کے سردار نے اپنی ہمت واستطاعت سے بڑھ چڑھ کے بولی دی اور جب علاقے کے تمام تونگر اپنی اپنی بولیاں بول چکے تو سارے میدان پر انتہائے تجسس کا عالم چھا گیا۔ تماشائی استم خان کے خیمے کی طرف دیکھنے لگے۔ استم خان میدان میں آئے گا یا سوہنے کا ہیروں کے برابر مول دیکھ کر کھسک جائے گا؟

دیکھتے ہی دیکھتے سردار استم خان کے خیمے کا پردہ اٹھا اور وہ ہاتھ میں تلوار لیے شان سے چلتا ہوا، رقص کرتا ہوا میدان میں در آیا۔ وہ زرق برق لباس زیب تن کیے ہوئے تھا اور اس کے ہر عضو سے نخوت وحقارت، طنز وتفاخر عیاں تھا۔ وہ ایک ایسی کمان

Marfat.com
Marfat.com

بن چکا تھا جس سے ہر لفظ نفرت سے زہر بجھے تیر کی طرح نکل کر تماشائیوں کے دلوں میں پیوست ہو رہے تھے، اس کے خیمے کے پیچھے اس کے قبیلے کے جوان بندوقوں سے مسلح کھڑے تھے۔

اس طرح اینڈتا، چلتا، رقص کرتا، سردار اسلم خان ہجوم کے مقابل آگیا اور بآواز بلند قبائلی انداز میں اپنے قبیلے کی شان و شوکت، بہادری اور جرأت کے کارنامے دہرانے لگا۔ اپنی دولت کی بے پایاں کثرت اور دشمنی و قہر خدا جتلایا اور اس تمہید کے بعد ایک ایک کر کے ہر قبیلے کے ہر سردار کو للکارا اور مقابلے کی دعوت دی لیکن ہر سردار اپنا آخری داؤ کھیل چکا تھا۔ سونے کی قیمت اب آسمان سے باتیں کر رہی تھی انھوں نے جو دیوار اسلم خان کے لیے بنائی تھی اب وہ خود اس کو عبور کرنے سے قاصر تھے۔ ہر طرف خاموشی اور سکون پا کر اسلم خان نے حقارت سے مسکرایا اور انتہائی تفاخر سے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر سونے کی آخری بولی پر مہر ثبت کی۔ ہر تماشائی کے دل پر اس کی دولت کی دھاک بیٹھ گئی۔

چبوترے پر بیٹھا ہوا سب سے معمر شخص اٹھا اور پکارا۔ ''دادل خان یہ آخری بولی ہے کیا منظور ہے؟''

دادل خان ہاتھ میں تلوار لیے میدان میں آیا اور للکارا۔ ''اسلم خان، ناموس کا مول زر سے نہیں تلوار سے طے ہوتا ہے!''

دادل کا یہ اعلان سن کر سارے مجمع پر سکوت طاری ہو گیا اور چار سو سناٹا چھا گیا۔ دادل نے آج نہ صرف بے حساب دولت کو ٹھکرا دیا تھا، بلکہ وہ کھلم کھلا بغاوت کی بھی دعوت دے رہا تھا۔ اسلم خان کی شمشیر زنی کی شہرت دور دور تک تھی، وہ اپنے کئی حریفوں کو دعوت مبارزت دے کر موت کی نیند سلا چکا تھا۔

اسلم خان نے دادل پر حقارت کی نظر ڈالتے ہوئے ایک زہر خند کے ساتھ

Marfat.com
Marfat.com

دادل کی دعوت جنگ قبول کر لی۔ طے پایا کہ دادل ہار جائے تو اس کا تمام اثاثہ استم خان کی ملکیت بنے اور اگر استم خان ہارے تو بستی کا چشمہ دادل کی ملکیت سمجھا جائے۔

دفعتاً فضا میں طبل جنگ کی صدا ابھری اور دونوں حریف آمنے سامنے آ گئے!

استم خان للکارا'' دادل تم جیسے نو آموز کو پہلے ہی وار میں ہلاک کر دینا میری توہین ہے، میں پورے سات وار کروں گا اور اگر تم بچ گئے تو قسم ہے پروردگار کی، اپنی ہار مان لوں گا۔'' یہ کہتے ہوئے استم خان نے پینترا بدلا، تلوار کو دائیں بائیں لہرایا اور پھر لپک کر بڑی مہارت اور پھرتی سے تلوار کی نوک کو دادل کے سینے پر رکھ کے دکھا دیا۔ ایک لمحہ وہیں ٹھہرے رہنے کے بعد وہ پیچھے ہٹا اور فرط انبساط سے چک پھیری لیتے ہوئے تلوار کو بڑی فنکاری سے اوپر نیچے کی جھلک دے کر ایک بار پھر اس کی نوک دادل کے سینے پر رکھ دی۔

دادل سے اس طرح استہزا اور تمسخر کرتے ہوئے استم خان ایک ایک کر کے دادل پر پورے چھ خالی وار کر چکا، تو پیچھے ہٹ کر میدان کے آخری سرے پر پہنچا، اور للکار کے بولا:'' بچاؤ اپنے آپ کو دادل، یہ میرا آخری اور مہلک وار ہو گا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ نپے تلے قدموں سے چک پھیریاں لیتا، دائیں بائیں، اوپر نیچے تلوار چلاتا، آگے بڑھتا چلا آیا۔ تماشائی دم بخود اور خاموش! بیم ورجا کے عالم میں بت بنے کھڑے تھے کہ دفعتاً ان کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوندی اور دوسرے ہی پل انھوں نے دیکھا کہ استم خان نے اپنی تلوار دادل کے سینے سے پار کر دی ہے، اور وہ ایک زہر خند چہرے پر لیے دو قدم دور ہٹ کے بڑے ظالمانہ انداز میں دادل کی جانکنی کا منظر دیکھ رہا ہے!

دادل پہلے لڑکھڑایا، پھر سنبھلا، اور پھر یکا یک اس کے سینے سے ایک ہیبت ناک و دلخراش آواز نکلی۔ اس کے ساتھ ہی بلوچوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں

Marfat.com
Marfat.com

نے دیکھا کہ دادل زخمی شیر کی سی تندی و تیزی سے ایک ہی زقند میں اسلم خان کے سر پر جا پہنچا، اس کی تلوار بجلی کی طرح چمکی، اور چشم زدن میں اسلم خان کے جسم کو اوپر سے نیچے تک دو ٹکڑوں میں کاٹ کے رکھ دیا۔

فضا میں قیامت کا شور برپا ہوا۔ دادل نے اب فاتحانہ انداز میں تلوار لہرائی اور جوانمردی سے للکار کر بولا ''جوانو! میری بستی کی کنواریوں سے کہہ دینا کہ دادل تمھاری معصوم آنکھوں کے مقدس آنسوؤں پر قربان ہو گیا ہے، اور اب کوئی ظالم ان سے بستی کا چشمہ نہیں چھین سکتا!'' یہ کہہ کر دادل نے ایک بار پھر فاتحانہ سطوت سے تلوار لہرائی اور پھر تیورا کر گر پڑا۔

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# رسہ گیر

فقیرا جٹ بڑا ہی کایاں اور گھاگ رسہ گیر تھا۔ اس کی چترائی کا یہ عالم تھا کہ اپنے دھندے میں وہ ایک بار بھی پکڑا نہیں گیا۔ وہ اپنے ''نگ'' کو یوں صفائی سے اٹھا لے جاتا جیسے ہوا کا جھونکا پھولوں کی باس اڑا لے جائے۔

فقیرا جٹ رنگ رنگ کے جناوروں کے گن اس طرح جانتا تھا جیسے وہ خود انسان نہ ہو، کوئی جناور ہی ہو۔ وہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر آواز سے ہی بتا سکتا تھا کہ بھیڑ ببرک ہے یا بلخی؟ گھوڑا دیسی ہے یا ولایتی؟ گائے داجل ہے یا دھنی؟ بھینس نیلی ہے یا کنڈی؟

واردات سوچ سمجھ کر، بڑی ہوشیاری سے کرتا تھا، وہ پہلے تو کوئی سوہنا سا ''نگ'' ڈھونڈتا، اور اگر اس کی اٹھان، اس کا رنگ روپ جی کو لگتا تو پھر وہ جناور کا نام معلوم کر کے اس کو پکارنے کا طریقہ دریافت کرتا رات میں نقب لگاتا، اور ہولے ہولے جناور کا نام پکار کر اسے پیار سے تھپکی دیتے ہوئے اس کی آنکھوں پر ''اندھیری'' چڑھا دیتا، اور پھر سویرا ہونے تک میلوں دور نکل جاتا۔

Marfat.com
Marfat.com

خوب صورت، تندرست اور بانکے جانور شکار کرنے سے اسے ایک تو لطف بہت آتا تھا، دوسرے جانوروں کے منہ مانگے دام مل جاتے تھے۔

سوائے ہاتھی کے اس نے ہر قسم کے کام والے جانور پر اپنے داؤں آزمائے تھے۔ ان دنوں وہ سوائے اعلیٰ نسل کے صبا رفتار گھوڑوں کے، کسی دوسری چیز کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ گھوڑوں کو پراگا کر اڑا لے جانا حالانکہ رسہ گیری کے دھندے میں سب سے مشکل کام تھا، لیکن فقیرے کو پولو اور ریس جیتنے والوں یا عمدہ گھوڑوں کے شوقین زمینداروں سے ناویں اچھے مل جاتے تھے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اچھے گھوڑے ولایت بھی بھیجے جاتے ہیں اور ہیروں کے مول بکتے ہیں۔

فقیرا اب ادھیڑ ہونے کو آیا تھا اور تھک چکا تھا۔ ایک دن اس کے جی میں آئی کہ یار چھوڑ اس دھندے کو، کوئی ایسا کام کر کہ جس میں راتوں کو سیندھ لگانے کی ضرورت پڑے نہ جانوروں کو چھپانے اور دیکھ بھال کرنے کی۔

اس نئے دھندے کے سلسلے میں آج وہ ملنگ چراں دتہ کے پاس آیا تھا اور اس سے ان جگہوں کا پتا پوچھ رہا تھا جہاں اس کا "نیا مال" اچھے داموں بک جائے۔

ملنگ نے ملہم میں بات کرتے فقیرے سے ایک پیسے سے بھنگ میں شراب ملوائی اور دو کٹورے اس "لڑھکی" کے پی کر اپنے "نئے مال" کو لیے سڑک پر آ گیا۔

وہ دونوں سڑک کے کنارے ایک بوڑھے پیڑ تلے بس کا انتظار کر رہے تھے، اور فقیرا سگریٹ کے سوٹے لگاتا سڑک کی دائیں جانب منہ کئے کھڑا تھا، کہ اچانک اسے سسکیاں بھرنے کی آواز آئی وہ مڑا اور چیخ کے بولا! "چپ کر پگلی نہیں تو، کسی نے دیکھ لیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا ... روتی کاہے کو ہے؟ تیرا باپ تجھے نہ پوچھے، اور سوتیلی ماں مارتی پیٹتی رہے، بہن بھائی، ماموں، نانی تیرا کوئی نہیں۔ کوئی دور کا رشتے دار بھی نہیں جس کے پاس تو جاتی۔ اب اور کیا ہو سکتا ہے پگلی؟ بول چھوڑ

Marfat.com
Marfat.com

آؤں تجھے متری ماں کے پاس؟'' لڑکی نے اب آنسو پونچھ لیے اور خاموش ہوگئی۔ فقیرا بولا: ''تجھے گانا سکھوادوں گا اور کسی نے تجھے تنگ کیا، تو دیکھ...... یہ دیکھ، وہ کپڑوں کے نیچے سے چھپا ہوا پستول دکھا کر بولا: ''یہ پٹاخہ کاہے کو رکھا ہے......؟ گولی ماردوں گا سالے کو۔'' اتنے میں بس آگئی اور فقیرے نے اس لڑکی کو اگلی سیٹ پر عورتوں کے ساتھ بٹھادیا۔

شہر میں ملنگ پیراں دتہ کے بتائے ہوئے ٹھکانوں میں سب سے پہلے وہ رحیم پورے کے افیم کے ٹھیکے کے بائیں ہاتھ والے احاطے میں پہنچا، وہاں ایک لوہار سے بلے کا پتا پوچھا اور پھر ایک پرانے سے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بنیان اور تہبند پہنے باہر نکل کر بولا: ''کیا بات ہے؟''

فقیرے نے کہا: ''ملنگ پیراں دتہ نے بھیجا ہے نگ لایا ہوں۔'' وہ بولا۔

''آجاؤ۔''

اندر پہنچ کر یہ دونوں ایک کھری چارپائی پر بیٹھ گئے، بلا ایک ٹوٹے پھوٹے مونڈھے پر بیٹھ گیا، اور فوراً ہی بولا: ''بولو کتنے پیسے لوگے؟''

فقیرے نے کہا: ''تم ہی بتاؤ۔''

بلا بولا: ''پندرہ سو۔''

فقیرا اب یوں بدکا جیسے کسی بچھو نے ڈنک ماردیا ہو۔ اس نے بڑی حیرانگی سے پوچھا۔ ''پندرہ سو؟ پندرہ سو کہ پندرہ ہزار؟''

''پندرہ سو میاں، پندرہ سو، تین پنجے پندرہ۔'' بلا فقیرے کی بے خبری پر مسکرا کر بولا۔ ''لڑکی ہے کوئی کوٹھی یا موٹر کار تو نہیں۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔'' فقیرا حیرانی سے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا: ''یار تم نے تو میرا سارا نشہ ہرن کردیا۔''

Marfat.com
Marfat.com

"میں نے تو پھر بھی ٹھیک بتایا ہے۔" بجو نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کوئی اور ہوتا تو اس سے بھی کم بتاتا ... مرضی ہے تو پوچھ لو۔"

"نا بھائی نا" فقیرا وہاں سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ سودا مجھے ٹھیک نہیں

بیٹھتا۔ اگر یہی بات ہے تو میں تو یہ مال کسی اور کو چھوڑ آتا ہوں واپس اس سے کم۔"

"ارے چھوڑ ان باتوں کو بھائی" بجو نے آرام سے حقہ گڑگڑاتے ہوئے

جواب دیا۔ "ہاتھ میں آئے ہوئے مال کو کون چھوڑتا ہے ... ابھی پچھلے دنوں رشید سے

وایک آدمی پین یا سونے کی تین گھڑیاں لے گیا ہے ایک بڑی اور دو چھوٹی۔"

"نا بھائی نا" فقیرا پھر سے انکار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھے یہ سودا

ٹھیک نہیں بیٹھتا ... چل رکھ مال ادھر، میں اور چلیں۔"

"اچھا تو مجھے ذرا مال تو دکھا دے۔" بجو نے کہا۔ "ابھی لیتے ہو۔" فقیرا

اب اور بھی حیران ہوا۔ "ارے بھائی دکھا دیا ہے ... تیرے سامنے رکھا ہے دیکھا

نہیں تو نے؟"

"معلوم ہوتا ہے ابھی تم نے مال دیکھا ہی نہیں۔"

بجو نے کہا۔ "تمہیں چھوکریوں سے مال کا پتا ہے اور نہ کسی اور بات کا۔"

فقیرا اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اس نے ... دوبارہ سے بیڑی سلگائی۔ تب بجو اس کو

اسے پچکارتے ہوئے بولا "چل اس گھڑی میں ... سے ... ڈال۔" اب فقیرا کچھ

بدکا اور سوالیہ انداز میں بولا "کچھ ... ڈال؟ کیا مطلب؟"

"یار تو بھی عجیب آدمی ہے۔" بجو نے ... بے دھیانی سے کہا۔ "...

بدن بہت اچھا مانتے ہیں۔" اب فقیرا کچھ سمجھا ... اصل بات یہی تھی کہ جب

اس نے بھی اپنے دھندوں کی بھی برداشت نہیں کی تھی ... وہ یہ بتانا نہیں چاہتا تھا

کہ وہ ... گیا ہے، پھر سوچ کر اس نے بڑی ... سے ... اور ... کہا "اچھا

Marfat.com
Marfat.com

تو پھر دیکھ لو ''

بالا لڑکی کو کوٹھی میں لے گیا اندر سے آواز آئی ۔ '' کپڑے اتار دو ۔ ''

تھوڑی دیر بعد جب بالا باہر آیا تو کہنے لگا '' سترہ سو لے لو ۔ ''

'' نہیں یہ کوئی مول نہیں ۔ ''

'' اٹھارہ سو ۔ ''

'' نہیں ''

'' دو ہزار ''

'' نہیں ''

'' اچھا تو پھر تمھاری مرضی ۔ ''

فقیرا اب اس لڑکی کو لے کر دوسرے اڈے پر گیا، پھر تیسرے، پھر چوتھے، اور اس طرح شام تک اس نے شہر کے سارے اڈے دیکھ ڈالے ۔

شام کو ہار کے وہ پھر بلے کے ہاں پہنچا ۔ بالا اس وقت دو عورتوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا ۔ اس نے فقیرے سے کہا '' پیو گے ؟ ''

'' نہیں '' فقیرا بولا ۔ '' خالی شراب سے مجھے نشہ نہیں ہوتا ۔ '' اب بالا لڑکی کی طرف دیکھ کر کہنے لگا ۔ '' تم پیو گی ؟ '' لڑکی نے انکار میں سر ہلا دیا ۔ وہ دونوں عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگیں ۔ بلے نے بڑے پیار سے پوچھا '' کیا نام ہے تمھارا ؟ ''

'' اقبال بیگم '' لڑکی نے احساس گناہ سے بوجھل لہجے میں آنکھیں جھکا کر جواب دیا ۔

'' تمھاری عمر کتنی ہے ؟ ''

'' سترہ سال ۔ ''

Marfat.com
Marfat.com

''بھائی بلے'' فقیرے نے کہا۔ ''مجھے جلدی واپس جانا ہے، لاؤ ناوال لاؤ، بات ختم کرو۔''

بلا اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر چلا گیا۔ ٹرنک کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی، اور بلا سوسو کے نوٹ گنتا ہوا باہر نکلا۔ ''یہ لو۔'' بلے نے وہ نوٹ فقیرے کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ ''پورے دو ہزار ہیں۔'' فقیرے نے رقم گنے بغیر بڑی بے دلی سے ڈب میں چھپائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

بلے نے کہا: ''مال اپنا نہیں لے آیا کرو دوست! پیسے اچھے ملیں گے۔''

یہ سن کر فقیرا دروازے کی طرف جاتے جاتے رک گیا، اور اپنے آپ کو دل ہی دل میں گالی دیتے ہوئے بولا: ''پیسے کیا اچھے ملیں گے یار، گھوڑا سات ہزار کا بکتا ہے، اور آدمی دو ہزار کا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ٹاٹ کا پردہ اٹھایا اور اس انداز سے باہر نکل گیا گویا اس پیشے پر ہمیشہ کے لیے لعنت بھیج رہا ہو۔

❀ ❀ ❀

Marfat.com
Marfat.com

# تونگر

چشمے کے کنارے ایک بڑے پتھر پر بیٹھا ایک بچہ اپنے میمنے کو دانے کھلا رہا تھا کہ معاً ایک شان دار موٹر کار اس کے قریب آ کر ٹھہری۔ اس کی چھت پر فولادی جالی میں بھاری سوٹ کیس، گاف کھیلنے اور مچھلیوں کے شکار کا سامان لدا تھا۔ شوفر نے نیچے اتر کر دروازہ کھولا تو سب سے پہلے ایک کالا اور تو ندیل آدمی سگار پھونکتا باہر نکلا، پھر ایک خاتون کیمرہ لٹکائے کالی عینک لگائے برآمد ہوئی اور اس کے بعد ایک ننھی بچی ناچتی پھدکتی باہر آئی۔

کالا آدمی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سگار سے دھواں نکالتے ہوئے ٹہل ٹہل کر دائیں بائیں اس طرح دیکھنے لگا گویا آس پاس کے تمام پہاڑوں کو خرید لینے کا منصوبہ باندھ رہا ہو۔ کالی عینک والی خاتون کیمرہ نکال کر خوب صورت مناظر کی تصویریں لینے لگی۔ وہ ننھی بچی آگے بڑھی اور میمنے کی ملائم کھال پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ پہاڑی بچہ درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اٹھ دوڑا اور گھر میں گھس کر ٹاٹ کی اوٹ سے اس کا منہ چڑا دیا۔ ''اوں، اوں، اوں۔''

Marfat.com
Marfat.com

تب کالے آدمی نے بڑی نخوت سے اپنے شوفر کو حکم دیا کہ وہ میمنے والے کو حاضر کرے۔

پتھروں کے بنے ہوئے گھروندے سے ایک بوڑھا آدمی نمودار ہوا۔ اس کے بال مہندی سے رنگے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں حقہ تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔ قریب آ کر اس نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور ادب سے بولا ''کیا حکم ہے سرکار؟''

''یہ میمنا گاڑی میں رکھ دو۔'' کالے آدمی نے کہا۔

''سرکار یہ بکاؤ نہیں ہے، کچھ اور حکم کیجئے۔'' بوڑھے نے بڑی عجز و انکسار سے جواب دیا۔ کالے آدمی نے سو کا ایک نوٹ نکالا اور سگار سے دھوئیں کا ایک مرغولہ چھوڑ دیا۔ جیسے کہہ رہا ہو میاں کیا بک بک کرتے ہو۔

ایسے میں پہاڑی بچہ میمنے کی رسی تھامے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا ٹیلے سے اتر گیا۔ وہ بوڑھا ٹھٹھا مار کے ہنسا اور پھر لاپروائی سے حقے کا کش لگاتے ہوئے گھر کی طرف چلا۔ کالے آدمی کو اس کا یہ انداز کھل گیا۔ وہ چنگھاڑا۔ ''تو پھر بولو کتنے پیسے لو گے؟''

بوڑھے نے پیچھے مڑ کر دیکھا، اس کے جھریوں والے چہرے سے سکون اور بے نیازی کے تاثرات مٹ چکے تھے، ناگواری، رنج اور انا کو ٹھیس لگ جانے کی کیفیت نمایاں تھی۔ اس نے صرف اتنا کہا: ''دنیا میں ہر شے بکاؤ نہیں ہوتی سرکار'' اور اپنے گھر کا میلا ٹاٹ اٹھا کے اندر چلا گیا۔ کالے آدمی نے سگار پھینک دیا اور کار میں آ بیٹھا۔ ''پاگل کہیں کا'' کار چل پڑی۔ کالا آدمی بڑبڑایا۔ ''گدھا، سڑی، سودائی احمق کہیں کا'' شوفر نے گیئر بدلا، کار کی رفتار تیز ہو گئی، کالا آدمی چنگھاڑا۔

''حرامزدہ، خبیث، سؤر، بدمعاش ..... نامعقول، نکما۔''

وہ شاندار موٹر کار اس پہاڑی صحت افزا مقام کے عظیم ترین ہوٹل کے پاس جا کر رک گئی۔ کالا آدمی، وہ حسین عورت اور وہ ننھی بچی اتر کے اندر چلے گئے۔

Marfat.com
Marfat.com

ہل اسٹیشن کے سب سے بڑے ہوٹل کے عالی شان ڈائننگ روم میں جو تجریدی تصویروں اور تجریدی فرنیچر سے مزین تھا، کھانے کی میز پر کالا آدمی اپنی خوبصورت بیوی سے کہنے لگا: ''ڈارلنگ! کیا خیال ہے تمھارا؟ کیا وہ بوڑھا سنکی نہ تھا؟'' وہ حسین خاتون سوچ میں پڑ گئی پھر ایک مرتبہ کالے آدمی کو مسکرا کر دیکھا اور سوپ پینے لگی۔

شام کو جب وہ سب سیر کو نکلے تو کالے آدمی نے پھر اس چشمے کے کنارے کار رکوائی اور شوفر کو سوسو کے تین نوٹ دے کر بولا: ''جاؤ وہ مینا لے آؤ۔'' تھوڑی ہی دیر میں شوفر وہ تین نوٹ لیے یوں واپس آیا جیسے ہاتھوں میں کوئی نجس شے اٹھا رکھی ہو۔

''صاحب وہ کہتا ہے مینا لاکھ روپے میں بھی نہیں ملے گا۔'' کالا آدمی اب اس مذاق پر لوٹ گیا۔ ''ہاہاہا، ہاہاہا، ہاہاہا۔'' کار چل پڑی، کالا آدمی بہت دیر تک ہنستا رہا، لیکن وہ خوبصورت عورت خاموش تھی، ایک مجرم کی طرح، جانے کیوں؟ اس کے چہرے پر کوئی جذبہ، کوئی تاثر نمایاں نہ تھا، گویا وہ کوئی پتھر کی مورت ہو جس کے خدوخال میں جذبے اور احساس کی روح باقی نہ ہو۔ جانے وہ کیا سوچ رہی تھی؟ کہاں کھوگئی تھی؟ کالا آدمی مسلسل ہنس رہا تھا۔ ''سنتی ہو؟'' اس نے ہولے سے خاتون کو ٹھوکر مار کے کہا۔ ''لاکھ روپے کا بھی نہیں بکے گا، ہاہا...... ہاہاہا ...... اف خدایا دنیا کو ہوا کیا ہے؟ ہائے میرے اس درد کی دوا کیا ہے؟ ہاہا، ہاہا...... میں شرط لگانے کو تیار ہوں ڈارلنگ! یہ بڈھا پاگل ہے، سڑی ہے، سودائی ہے۔ ہاہاہا...... ہائے ہائے ...... ہاہاہا ...... بھئی ہنستے ہنستے تو میرا دم نکل جائے گا۔ ہائے ڈارلنگ سنبھالو مجھے۔ ہی ہی ہی، ہو ہو ہو، خی خی خی، تو تو تو ...... اواو او...... کالے آدمی کی توند متزلزل تھی، کار فراٹے بھرتی ترائی کو جا رہی تھی، ننھی بچی خاموشی سے ماں کی گود میں سوگئی تھی۔

کالا آدمی ہنستے ہنستے تھک کر جب خاموش ہوگیا اور کھڑکی سے پہاڑوں،

Marfat.com
Marfat.com

وادیوں اور درختوں کو دیکھنے لگا تو معاً اس حسین و جمیل خاتون نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا، اس کی آنکھوں سے دو آنسو نمودار ہوئے اور اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے نیچے ڈھلک پڑے۔ پھر اس نے چپکے سے پلکوں کو پونچھ لیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں، چیڑ اور سفیدے کے درخت، پتھروں کے گھروندوں کی پہاڑی بستیاں، ڈھلوانوں پر چھوٹے چھوٹے کھیت، آسمان پر اڑتے ہوئے سفید بادل، چہچہاتے ہوئے رنگین پرندے!

دن بھر کی سیر کے بعد جب وہ لوگ واپس لوٹے تو اس مذاق سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے کالے آدمی نے پھر اسی چشمے کے پاس گاڑی رکوائی اور شوفر کو کہا۔ ''جاؤ اس بڈھے کو ہمارا پتا بتا دو اور کہہ دو کہ جب جی چاہے اور جس قیمت پر جی چاہے وہ مینا ہمیں دے جانا۔'' شوفر جب یہ پیغام دے کر واپس آیا تو اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ غالباً بڈھے نے کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جسے وہ اپنے مالکوں کے سامنے دہرا نہیں سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گیا اور کار سٹارٹ کر دی۔

گرمیوں کا سارا موسم گزر گیا مگر وہ ثابت قدم بڈھا نہیں آیا۔

کالا آدمی آخری بار پہاڑی مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے دوربین لگائے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا کہ اچانک وہ اس طرح چونکا گویا حیرت نے اسے بچھو بن کر ڈس لیا ہو۔ وہ دوربین آنکھوں پر دوبارہ رکھ کر بولا: ''او ڈارلنگ، ذرا دیکھنا سامنے سڑک پر کون آ رہا ہے؟'' یہ کہہ کر کالے آدمی نے دوربین خاتون کے ہاتھوں میں تھما دی، خاتون نے دوربین آنکھوں سے لگا کر دیکھا کہ وہ سنکی بوڑھا مینا کاندھے پر اٹھائے چلا آ رہا ہے۔ خاتون کا منہ اتر گیا، جیسے یہ خود اس کی اپنی شکست ہو۔ کالا آدمی خوشی سے پاگل ہو کر کہنے لگا: ''غریبی بہت بری بلا ہے ڈارلنگ، بہت بری بلا ہے، دماغ کی ساری خرابی، ساری اکڑفوں ذرا سی رقم کے لالچ

Marfat.com
Marfat.com

نے کافور کر دی۔ ذرا سوچو تو میری جان، حضرت کس طرح سینہ پھلا کر کہہ رہے تھے کہ وہ میمنا نہیں بیچیں گے۔'' اور یہ کہتے کہتے اس نے دوربین پھر آنکھوں سے لگا لی۔

''... چچ، چچ، چچ غریبی بری بلا ہے ڈارلنگ، بری بلا ہے۔''

اس حسین عورت کی رنگت زرد پڑ گئی تھی اور اس کے انداز میں کھسیانہ پن اور شکست خوردگی نمایاں تھی جس سے وہ کالا آدمی بے انتہا خوش ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد شوفر نے آ کر کہا: ''وہ بڈھا آیا ہے جناب، میمنے والا۔'' اور اس کے ساتھ ہی وہ بڈھا ہاتھوں میں میمنا لیے یوں نظر آیا گویا وہ اپنی خودداری کی لاش اٹھا کر لایا ہو۔ اس کے چہرے پر غم، اندوہ اور فکر کی علامات نمایاں تھیں۔ اس کی جھریاں گہری ہو چکی تھیں۔ وہ نظریں چرا رہا تھا اور پیشانی پر سرد پسینے کے قطرات ابھر آئے تھے۔ کچھ دیر وہ میمنا لیے ہوئے جوں کا توں کھڑا رہا پھر جھکا اور میمنے کو ننھی کے سامنے لا کر چھوڑ دیا۔ کالا آدمی فاتحانہ شان سے اور وہ حسین عورت ایک مجرمانہ انداز سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ بوڑھا پیچھے ہٹا اور الٹے قدموں باہر جاتے ہوئے پہلے دھیرے سے کھنکارا، پھر ہاتھ جوڑ کے گلوگیر اور تھرائی ہوئی آواز میں بولا: ''بڑے صاحب جی، پچھلے مہینے میرا بچہ تین روز بیمار رہ کر مر گیا، یہ میمنا اسے بہت پیارا تھا ہم غریب لوگ کھلونے نہیں خرید سکتے بڑے صاحب جی، پھول، پتھر یا بکری کے بچے ہی ہمارے بچوں کے کھلونے ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے بڑے صاحب جی کہ اب اس کی ماں، میری گھر والی، اس میمنے کو دیکھ دیکھ کر سارا دن روتی رہتی ہے، تو جی میں نے سوچا یہ میمنا آپ کی منی کو دے ڈالوں، اچھا صاحب بہادر جی سلام، میرے بچے کے میمنے کا ذرا دھیان رکھئے گا۔'' بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔

❀❀❀

Marfat.com
Marfat.com

# دفعہ تین سو دو

صبح کا وقت ہے اور موضع دینا والا پر ہر طرف دھوپ پھیلی ہے۔ گاؤں سے کچھ دور پتھروں کی مضبوط چار دیواری والے تھانے میں حاضری لگ چکی ہے۔ باہر صحن میں نیم کے پیڑ تلے ایک ٹوٹا سا پرانا بنچ رکھا ہے، جس کے قریب پرندوں کے دانے پانی کے لیے دو مٹی کے کونڈے دھرے ہیں جو حوالدار کرم داد کے ایما پر مدت سے یہیں رکھے جاتے ہیں تاکہ حوالدار ملزموں کی بددعاؤں سے محفوظ رہے۔ نیم کے اس پیڑ تلے ایک طرف چند سپاہی مٹی پر لکیریں کھینچ کر ٹھیکریوں اور پتھروں سے کسی کھیل میں منہمک ہیں اور تھانے کے باقی افراد بے مدعا گپ بازی میں مشغول۔ باہر آہنی سلاخوں والے بڑے گیٹ پر ایک سنتری بندوق لیے بے دلی سے کھڑا ہے گویا وہاں اس کا وجود ایک نہایت مہمل اور بے معنی سی بات ہو۔

تھانیدار جی اپنے کمرے میں کوئی کام نہ ہونے کے باوجود خواہ مخواہ فائلیں اور موٹے موٹے رجسٹر دیکھتے چلے جاتے ہیں۔ حوالدار کرم داد سامنے بیٹھا تین دن پہلے کا اخبار پڑھ رہا ہے، جو اس نے چک نمبر ایک سو آٹھ مغربی سے واپس آتے وقت

Marfat.com
Marfat.com

بس کے ایک مسافر سے مانگ لیا تھا۔ چک نمبر ایک سو آٹھ مغربی میں وہ اس لیے گیا تھا کہ بڈھے نورو ترکھان کی بیوی جنتے کا پتا چلا سکے جو کمیدے کانگڑ کے ساتھ یاری لگا کر بھاگ گئی تھی اور جس پر مدت سے حوالدار کرم داد کی اپنی نظر تھی۔ نورو ترکھان کی وہ سانولی چکوری اپنی بھڑکتی آگ سی جوانی کو لے کر جانے کہاں جا چھپی تھی۔ حوالدار نے وہ اخبار محض اس وجہ سے حاصل کیا تھا کہ شاید اس میں اغوا یا قتل کی کسی واردات میں جنتے کا پتا چل سکے کیونکہ جس جگہ جنتے ہو وہاں فساد نہ ہونا حوالدار کے لیے ایک ناقابل یقین سی بات تھی جیسے بھس میں چنگاری پڑے اور آگ نہ لگتے۔

تھانیدار جی نے دفعتاً رجسٹر بند کیا اور عینک اتار کے اکتائے ہوئے اداس لہجے میں بولے ''تیرے علاقے میں تو کیس ہونے ہی بند ہو گئے ہیں حوالدار، اس ہفتے کارگزاری کی رپورٹ بھیجنی ہے افسران بالا والو رجسٹر میں ٹیرا ایک نہیں۔''

''اجی فکر نہ کرو تھانیدار جی۔'' حوالدار کرم داد لاپروائی سے کہنے لگا ''مولا کارساز ہے۔'' تھانیدار جی نے عالم اضطراب میں پھر وہ عینک لگالی جس سے وہ بہت معصوم بلا بے وقوف نظر آنے لگے تھے۔

تھانیدار جی فائلیں دیکھ رہے تھے اور حوالدار میز پر انگلیاں نچا کر کوئی گیت گنگنا رہا تھا کہ ایک دیہاتی راہگیر اپنی لاٹھی میں گٹھڑی اور جوتے لٹکائے ڈرتے ڈرتے ننگے پاؤں کمرے میں داخل ہوا اور چپکے سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں میں سے کسی نے اس کی طرف نہ دیکھا تب وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر کھنکارا، تھانیدار جی نے نظریں اٹھائیں، حوالدار بھی چونکا۔ اس دیہاتی نے ہاتھ جوڑ دیئے، پھر ایک ہاتھ جوں کا توں رہا اور دوسرے ہاتھ سے ایک جانب اشارہ کر کے یہ حقیقت بیان کی کہ اس نے گاؤں سے باہر جانے والی سڑک پر ایک لاش دیکھی ہے۔ اتنا کہہ کر اس نے پھر سے ہاتھ باندھ لیے گویا اس قتل کا مجرم وہ خود ہو۔ حوالدار نے تھانیدار جی

Marfat.com
Marfat.com

Marfat.com
Marfat.com

کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آئی۔ ایک کونے میں رات کی جلائی ہوئی لالٹین اب تک روشن تھی اور رات بھر جلتے رہنے سے اس کی چمنی سیاہ ہو چکی تھی۔ حوالدار نے آگے بڑھ کر اسے زمین سے اٹھایا کھولا اور پھونک مار کے بجھا دیا اور پھر پلٹ کے بڑے غور سے کوٹھڑی کا جائزہ لینے لگا۔ بخشو کی چارپائی کا بستر چڑ مڑ ہوا پڑا تھا۔ طاق میں دیسی شراب کا ادھا بالکل خالی دھرا تھا اور فرش پر تیل کے داغوں والا اخباری کاغذ پکوڑوں کے ذرے لیے ادھر ادھر اڑتا پھرتا تھا۔ حوالدار نے چارپائی تلے جھانک کر دیکھا، کپڑے رکھنے کے ایک ٹوٹے پھوٹے پرانے ٹرنک کو کھینچ کر باہر نکالا کھول کے دیکھا اور اسے بند کر کے واپس کھسکا دیا۔ اس کے بعد وہ اٹھا اور آس پاس کی دیواروں پر نظریں دوڑانے لگا، جہاں فلمی اداکاروں کی تصویریں اخباروں سے کاٹ کاٹ کر دیواروں سے چپکا دی گئی تھیں، کمرے کے وار پار بندھی رسی پر ایک میلا سا تولیہ اور ایک گاڑھے کی چادر پڑے پڑے جیسے اونگھ رہے تھے۔ حوالدار نے ایک بار پھر تمام چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا، پرانے ٹرنک کو ایک بار پھر کھولا اور بند کر دیا، چارپائی کے نیچے نظر ڈالی اوپر دیکھا، تکیہ اٹھایا، مگر اسے سوائے کانچ کی ایک ٹوٹی ہوئی سرخ چوڑی کے کوئی اور خاص چیز نظر نہ آ سکی۔ اس نے ٹوٹی ہوئی چوڑی کا وہ ٹکڑا اٹھایا اور پھر غور سے چادر کو دیکھا، اس پر سرخ کانچ کا ایک اور ننھا سا ذرہ دھرا تھا۔ وہ ان چھوٹے بڑے ٹکڑوں کو ہتھیلی پر رکھ کر بغور دیکھنے لگا، پھر انھیں کاغذ میں رکھ کر جیب میں ڈال لیا۔ اس مشاہدے کے دوران اس پر ایک اور بات بھی واضح ہوئی جو اس کے نزدیک نہایت اہم تھی۔ تھانیدار جی کے گوش گزار کرنے کے لیے اس نے اپنے ذہن میں اس بات کو محفوظ کر لیا۔ اب اس نے گھر کے دروازے کا بڑے غور سے مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس نے پہلے باہر نکل کر دروازے کی کنڈی کو دیکھا جو صحیح و سالم تھی۔ پھر اس نے اندر سے پٹ بھیڑ کر دیکھا اندر کی طرف کی کنڈی ٹوٹ کر نذر میں جا گری تھی اور دروازے کی

Marfat.com
Marfat.com

چولیں ڈھیلی ہو کر باہر نکل آئی تھیں۔ حوالدار نے یہ ساری تفصیلات لکھ ڈالیں اور ڈائری میں سامان کا اندراج کر کے دروازے کو باہر سے تالا لگا کر سربمہر کر دیا۔

ملزم کو تھانے لا کر اسے حوالات میں بند کر دینے کے بعد حوالدار کرم داد، تھانیدار جی کے کمرے میں پہنچا اور کھٹ سے ایک سیلوٹ مار کے بولا: ''تیتر پکڑ کے پنجرے میں ڈال دیا ہے، سرکار میری فرماؤ آگے کیا حکم ہے؟''

''کیا کیس ہے؟''

''قتل عمد بوجہ عداوت و دیرینہ رقابت سرکار بنام دتو کھڑیال کاشتکار۔''

''کوئی نشانی یا گواہ؟ ثبوت؟''

''نشان تو یہ رہے '' حوالدار نے ٹوٹی چوڑی والی پڑیا اور دروازے کی کنڈی جیب سے نکالی اور وقوعے کی تشریح کرتے ہوئے بولا۔ ''ایک عورت کی وجہ سے ملزم دتو کی بخشو لوہار سے پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ ایک روز جب آدھی رات کو مقتول کی داشتہ اس کے گھر میں داخل ہوئی تو دتو چار آدمیوں کے ساتھ باہر سے حملہ آور ہوا، دروازہ توڑ کے یہ لوگ مقتول کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر باہر لے گئے، اسے قتل کر دیا اور عورت کو بھگا لے گئے۔''

''یہ کیس بنا کے لائے ہو یا ناول لکھا ہے؟ حوالدار جی؟'' تھانیدار جی برا سا منہ بنا کر بولے: ''آلہ قتل کہاں ہے؟ اور گواہوں کا بندوبست بھی کیا ہے؟ دفعہ تین سو دو کا مقدمہ ہے میاں مذاق نہیں ''

حوالدار کرم داد مشکل میں پڑ کے سمجھانے لگا۔ ''قتل کا اوزار تو تھانیدار جی نکلوانا پڑے گا ذرا سی محنت کر کے اور آپ کو معلوم ہے گواہ تو بن ہی جاتے ہیں۔''

''اور یہ کیا ہے ؟'' تھانیدار جی میز پر دھری کاغذ کی وہ پڑیا ایک بدمزہ سی حیرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے بولے۔

Marfat.com
Marfat.com

''خی خی خی...... '' حوالدار بے حیائی سے ہنسا اور پڑیا کی طرف اشارہ کر کے بولا: ''یہ عورت ہے تھانے دار جی، عورت جو مقتول کے بستر پر سو رہی تھی۔''

''عورت؟'' تھانیدار جی چیں بہ جبیں ہو کر بولے۔ ''یہ تو ٹوٹی ہوئی چوڑی ہے میاں، تمھارے دماغ کو آج کیا ہو گیا ہے؟''

''آپ نہیں سمجھے تھانیدار جی۔'' حوالدار نے جواب دیا۔

''جب چوڑی کسی مرد کے بستر پر آ کر ٹوٹ جائے تو عدالت میں یہ عورت بن جاتی ہے...... لاؤ ہاتھ تھانیدار جی کیسی بات کہی...... خی خی خی۔''

لیکن اس وقت تھانیدار جی ہنسی مذاق کے موڈ میں قطعاً نہ تھے۔ پڑیا کو باہر پھینک کر انھوں نے کنڈی اٹھالی...... اور ''یہ کیا ہے؟''

''یہ مرد ہے جی'' حوالدار اسی اچپلاہٹ سے ہنس کر بولا۔ ''اس کہانی کا دوسرا سین۔''

''حوالدار تجھے دل لگی سوجھی ہے۔'' تھانیدار جی بیزار ہو کر کہنے لگے۔ ''اور اس ہفتے رپورٹ بھیجنی ہے۔''

''فکر نہ کرو تھانیدار جی۔'' حوالدار بڑے اطمینان سے مونچھوں کو تاؤ دے کر کہنے لگا: ''جب قاتل ہی پکڑا گیا تو پھر کسر کس بات کی رہی......؟ ثبوت، گواہ، اوزار، نشان، سب ہاتھ آ جائے گا۔ آپ تو خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں۔ تھانیدار جی۔''

''او نہیں یار۔ پریشان کون سور کا...... ہوتا ہے۔ پر میں یہ سوچتا ہوں یہ سالی عورت اس کیس میں کہاں سے ٹپک پڑی؟ تجھے تو ہر بات میں عورت کی خوشبو آتی ہے۔ چھی! ساون کے اندھے کو نظر آوے ہرا ہی ہرا۔''

''قسم ہے پروردگار کی تھانیدارا۔'' حوالدار دھتکارسن کے یقین دلانے والی آواز میں بولا: ''میں جانتا ہوں بخشو حرامی بڑا اسٔور تھا۔ شاید آپ کو نہیں معلوم...... مجھے

Marfat.com
Marfat.com

معلوم ہے۔ ابھی ابھی اس کے بستر پر رات کی ساری کہانی پڑھ کے آ رہا ہوں۔ اس لیے میں وہ چوڑی اٹھا لایا تھا۔''

''کیا کہانی؟ کون سی کہانی؟'' تھانیدار جی نے کان آگے کرتے ہوئے پوچھا۔

''اجی تھانیدار جی وہی کہانی اور کون سی؟ کیوں میرا منہ کھلواتے ہو۔ پھر کہو گے مجھے مذاق سوجھتا ہے۔'' یہ کہتے کہتے حوالدار نے ہاتھ کے ایک اشارے سے اپنا مطلب روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے حوالدارا۔'' وہ کچھ سوچ کر کہنے لگا۔ ''پر اس سے یہ کیس مضبوط نہیں ہوتا۔ عدالتوں میں عورت کی چوڑیاں نہیں چلتیں چل اٹھ سیدھی طرح سے کیس بنا کے لا بڑا آیا ہے وہاں سے اشکاٹ لینڈ یارڈ کا پتر۔'' اشکاٹ لینڈ یارڈ ان کے خیال میں ولایت کا کوئی بہت بڑا افسر تھا جسے بال کی کھال اتارنے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ جب کوئی سراغرسانی کے معاملے میں ذرا سی نفسیات برتنے لگتا تو وہ جھٹ اسے ''اشکاٹ لینڈ یارڈ'' کے پتر کا خطاب دے دیا کرتے تھے۔

صبح سے رات ہونے کو آئی لیکن ملزم نے اقدام قتل کا کوئی سراغ نہیں دیا۔ وہ عام ملزموں سے کہیں زیادہ ہٹ دھرم اور سخت جان ثابت ہو رہا تھا۔ ایک ایک کر کے حوالدار کے سارے نسخے اور ساری ترکیبیں اکارت ہوتی جاتی تھیں اور اب اس کا آخری حربہ بھی ناکام رہ گیا تھا۔ چنانچہ حوالدار نے عاجز آ کر ملزم کو ترپال کے تھیلے کے اندر سے نکال لیا اور سپاہیوں نے بری طرح ہانپتے، پسینہ پونچھتے اور ہار جانے کے انداز میں ملزم کو گالیاں بکتے ہوئے اپنے اپنے ڈنڈے زمین پر ڈال دیے۔

''بول بیٹا اب کیا صلاح ہے تیری؟'' تھوڑی دیر ستا لینے کے بعد حوالدار گویا پھر سے تازہ دم ہو کر بولا۔

Marfat.com
Marfat.com

''قسم لے لو حوالدار جی ...... ''ملزم تھرا کر کانپ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے پکارا۔

''...... میں نے جی بخشو کو جی نہیں مارا جی۔''

''دھت تیرے کی ......'' حوالدار اسے ایک لات مار کے چنگھاڑا۔ ''مرغے کی وہی ایک ہی ٹانگ۔''

''خدا کی قسم، رسول کی قسم، پیر دستگیر کی قسم۔'' ملزم نے بلک بلک کر فریاد کی۔

''حوالدار جی تمھاری قسم، میں نے جی بخشو کو جی نہیں مارا جی۔'' ملزم دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ حولدار کو اس بات پر ہنسی آ گئی۔ اتنے میں تھانیدار جی اپنے کمرے سے نکلے اور خراماں خراماں ملزم کے سامنے آ گئے۔ ملزم دتو فوراً سجدے میں گر گیا اور اپنا سر تھانیدار کے جوتوں پر رکھ دیا۔

''او خنزیر کے بچے۔'' تھانیدار جی گرجے۔

''جی مائی باپ۔'' ملزم اسی حالت میں پڑے ہوئے پکارا۔

''اوئے کم بخت سچی بات نہ بتائی تو ابھی، اسی وقت، یہیں پر گولی مار دوں گا، تھانیدار ہوں پتر امسخرا نہیں، یہ تم نے کیا مذاق بنا رکھا ہے۔'' اب کی بار ملزم نے کوئی جواب نہ دیا اور بدستور سربسجود سسکیاں بھرتا رہا۔ تھانیدار جی نے ذرا دیر ٹھہر کر گویا یکا یک چھاپہ مارتے ہوئے پوچھا۔ ''بتا بے کلہاڑی کہاں چھپائی؟'' ملزم سر سے لے کر پیروں تک بری طرح کانپ گیا۔ ''کہیں نہیں جی؟'' وہ بے حد سہمی ہوئی آواز میں پکارا جیسے تھانیدار نے سچ مچ پستول نکال کر اس کی جانب تان رکھا ہو۔

''اسے کنویں میں پھینکی؟''

''نہیں جی۔''

''نہر میں ڈال دی؟''

''نہیں جی۔''

Marfat.com
Marfat.com

''اب نہیں جی کے بچے تو پھر کہاں چھپائی؟''

''کہیں نہیں جی، میں نے بخشو کا خون نہیں کیا تھانیدار جی۔'' اب تھانیدار جی نے سر کھجا کر بیزاری سے لمبا سانس لیا اور ایک بار پھر جی سے حوالدار کی طرف دیکھ کر پھر ملزم سے مخاطب ہوئے۔ اب ان کا لہجہ بالکل بدل گیا۔ وہ پیار سے بولے۔

''اچھا تو اتنا ہی بتا دے یار تو نے اسے کس بات پر مارا؟ بس پھر چھٹی ہو جائے گی۔''

''میں نے اس کو نہیں ''

''کیوں بیٹا کس چیز سے مارا تھا تو نے؟'' تھانیدار جی نے سنی ان سنی کر کے ایک اور پتا مارا۔ ''چھرے سے یا کلہاڑے سے؟''

''کسی چیز سے بھی نہیں جی ''

''تو پھر چھوی سے مارا ہوگا؟''

''نہیں جی''

''ٹکورے سے؟''

''نہیں جی۔''

''تو پھر کیا  سے مارا تھا۔'' تھانیدار جی اب جھنا کر مغلظات بکنے لگے۔ حوالدار کرم داد بیچ میں پڑ کر بولا۔ ''مان جا سالے اس میں تیرا ہی فائدہ ہے، اول آخر ماننا تو تجھے پڑے گا ہی، ہم بھی آخر پولیس والے ہیں پکی گولیاں تو کھیلے نہیں کیوں خوار ہو رہا ہے کم بخت'' اب کی بار ملزم کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ تھانیدار جی نے نہایت بدمزگی سے سر کو دائیں بائیں جھٹکے دیے اور بڑبڑاتے، جلتے بھنتے اور ایک قہر آلود نظر حوالدار پر ڈالتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔

آدھی رات کے قریب حوالدار کرم داد پہریداروں کے ساتھ ملزم کو زنجیر وال

Marfat.com
Marfat.com

میں جکڑے فاتحانہ شان سے تھانیدار کے کمرے میں داخل ہوا اور چھاتی پھلا کر بولا۔ ''مرغا حلال کر لیا ہے۔تھانیدار اٹھا قلم دوات اور قانون کی دیگچی میں بھون ڈال'' تھانیدار جی نے عینک لگائی اور عینک لگا کر پہلے حوالدار اور پھر سپاہیوں کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے کرسی کھینچ کر آگے کو ہو بیٹھے۔ مرغے کو ان کے سامنے کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ سپاہی نیم دائرے کی شکل میں اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اب مرغے نے پر پھڑ پھڑائے اور بانگ دینی شروع کر دی۔

''عورتوں کی طرح روتا کیوں ہے؟'' تھانیدار جی چنگھاڑے ''جو کچھ بکنا ہے بک ڈال۔''

''تھانیدار جی میں نے کچھ نہیں کیا۔ خدا رسول کا واسطہ میں بے گناہ ہوں۔ تھانیدار جی۔'' اب تھانیدار جی پھر جھلائے اور سراپا شکایت ہو کر حوالدار کی طرف دیکھا۔ حوالدار نے جھٹ منہ آگے کیا اور ملزم کے کان میں کوئی بات دہرائی۔ اس پر ملزم ہار کے روتا ہوا بولا۔ ''اچھا لکھو تھانیدار جی خون میں نے کیا۔ بس، آگے خدا جانتا ہے!'' تھانیدار جی دوبارہ کرسی کھینچ کر آگے کو ہو بیٹھے۔قلم کو روشنائی چٹائی اور بیان لکھنے لگے۔

ملزم کے اقدام قتل کا بیان پورا کر لینے کے بعد تھانیدار جی نے فراغت کا ایک لمبا سانس لیا اور کام نبیڑنے کے انداز میں رجسٹر آگے کھسکا کر بولے۔ ''روتا کیوں ہے۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ بندہ گنہگار اور خدا بخش ہار ہے۔ لے انگوٹھا لگا......'' ملزم نے بسور کر برا سا منہ بنا کر اپنا انگوٹھا آگے بڑھا دیا۔ ایسے میں دفعتاً ایک گٹھے ورزشی جسم کا مضبوط ٹھگنا دیہاتی جوان بے آواز کمرے میں داخل ہوا۔ چہرے پر وحشت، پگڑی کھل کے گلے میں پڑی ہوئی۔ بنیان اور تہبند پر خشک لہو کی چھینٹیاں، ہاتھ میں لہو پیا ہوا ٹکوا میز پر رکھ کر وہ جوانمردی سے بولا۔ ''میرا نام چراغ دین عرف چراغا ہے، بخشو لوہار اور اپنی

Marfat.com
Marfat.com

عورت کو میں نے قتل کیا ہے۔ تھانے میں حاضر ہو گیا ہوں۔ قانونی کارروائی مکمل کر لی جائے۔'' ایک لمحے کے لیے کمرے میں سکوت طاری ہو گیا۔ پھر دفعتاً دتو کو زور کی چھینک آئی۔ ''آ آ ... آخ چھوں۔'' اور پھر وہ ایک بغل میں سر چھپا کر ہنسنے لگا۔

❁❁❁

Marfat.com
Marfat.com

# چہار درویش

(قصہ نو بہ انداز قدیم)

## راوی

سبحان اللہ! یہ عالم بھی کیا عالم ہے! دل کوئی نہیں جو ثابت و سالم ہے۔ آسمان مولا کے دریائے وحدت کا بلبلا ہے۔ یہ راز تو اب کھلا ہے، دنیا گول ہے، زندگانی گلے کا ڈھول ہے۔ جس کو دیکھو سوذہن کا بیمار ہے، مردم آزار ہے۔ یہ سنسار ہے، جہاں دھن سے سب کو پیار ہے، یہی سب کا اوتار ہے، ہر نیا کا کھیون ہار ہے۔

صاحبو! ضلع غریب نگر کے حاکم اشرف الاشراف تہذیب مغرب کے غلاف نے ہم سے ایک داستان لکھنے کی فرمائش کی ہے۔ ان کے حکم سے روگردانی برابر ہے مگر مجھ سے چھیڑ خانی کے' چنانچہ اس حقیر فقیہ' مفلسی کی زنجیر نے حکم کی تعمیل میں ہی عافیت کا راز پایا اور قصہ ذیل قالب تحریر میں آیا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے ؎

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چار مسافر جنگل میں الاؤ روشن کیے بیٹھے تھے کہ ان میں سے مسافر نمبر ایک نے کہا ''دوستو! کچھ کہو کہ رات کٹے۔ اگر ہم سو گئے تو صبح دم آنکھ عدم

Marfat.com
Marfat.com

آباد میں کھلے گی کہ وحوش بیابانی ہماری طرح اپنی فطرت سے مجبور ہیں!''

یہ سن کر مسافر نمبر دو نے کہا'' اے برادر! تو سچ کہتا ہے۔ تیرا کرم ہے کہ تو نے سچی بات کہہ دی اور وہ بھی اس زمانے میں جب کہ سچ بات کہنا' دینا ہے دعوت فراوانی آلام کو! تجھ سے بعید نہ تھا کہ ہم کو سو جانے کا مشورہ دیتا اور کپڑے اتار کر ہم سب سے چپکے سے ہو جاتا نو دو گیارہ! جیسا کہ وطیرہ ہے شاعری میں رہبروں کا! اور صبح دم آنکھ جو کھلتی ہماری تو پاتے خود کو ننگے' اور ملتے کف افسوس' اور ڈھونڈتے پھرتے چیتھڑا ڈھانکنے کو تن کے!''

مسافر نمبر ایک نے اپنی تعریف جو سنی تو شرما کر دانت نکوس دیئے اور بولا ''اے آدم عالم اندیش مت چپک مجھ سے مانند ریش' اب تیسرے مسافر کو بات کرنے کا چانس دے کہ وہ اپنی بپتا سناوے اور دل ہم تینوں کا لے جاوے' زیادہ دیر کان ہمارے نہ کھاوے' نہ اپنی تعریف و توصیف سن کان سجاوے اور خوامخواہ منہ ہمارا کھلواوے!''

مسافر نمبر تین نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا پھر کان کھجایا اور بولا'' صاحبو! یہ زمانہ آپ بیتی سنانے کا ہے کہ جس کو دیکھو سراپا افسانہ ہو رہا ہے۔ احوال اس بدنصیب کا یہ ہے کہ پیدائش سے دس سال بعد یہ خاکسار فتنے کی تلوار نوک خار شتر بے مہار دنیا پہ بار ہو گیا گرفتار'' انفیارٹی کامپلیکس'' میں! بچپن فقیروں کو پتھر مارتے اور درویشوں سے دھول دھپے کھاتے گزرا۔ ایک دفعہ اس حقیر فقیر نے کسی نمازی کے ساتھ نہایت نازیبا حرکت کی' اس خدا کے بندے نے میرے ہاتھ پر انگارہ رکھ دیا۔ میں بہت ہی خوش ہوا اور دوسرے روز ایک اور نمازی سے وہی حرکت کر ڈالی۔ جب آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو ہسپتال میں پایا۔ صحت مند ہوا تو مجھے انسانوں سے سخت نفرت ہو چکی تھی۔ جوان ہوا تو دیکھا کہ فدوی ایک نہایت منحوس قسم کا ادیب بن چکا ہے۔ خاکسار نے پورا زور لگایا کہ

Marfat.com
Marfat.com

لوگوں کی توجہ ''زندگی'' سے ہٹا کر ''موت'' کی طرف کر دی جائے لیکن اس عاجز کو یہ جان کر نہایت قلق ہوا کہ لوگ زندگی کو میری ہی طرح عزیز رکھتے ہیں!''

''اے جان برادر'' مسافر نمبر ایک نے کہا ''ہمیں بتا کہ'' ''انفیارٹی کامپلیکس کیا بلا ہے؟''

''بلا نہیں وبا ہے'' مسافر نمبر تین نے کہا۔ اس سے ذرا بچ کے رہنا تمام دنیا اس کی لپیٹ میں آ چکی ہے۔''

دنیا کے تمام جرائم اس کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں' اور انسانوں کے لئے نہایت دلچسپ خبریں منصۂ شہود پر آتی ہیں۔''

''اے مرد کج اندیش!'' مسافر نمبر دو نے کہا ''اس کا کچھ علاج بھی ہے؟''

''علاج بس ایک ہی ہے!'' مسافر نمبر تین نے آہ بھر کر کہا ''اور وہ یہ کہ دنیا میں ''سزا'' کی جگہ ''جزا'' کو رواج دیا جائے۔ قید خانوں کی جگہ باغات لگایئے۔ جہاں پھول مہکیں طیور چہکیں اور من موہنی ناریاں دل کلیجہ نکال لے جائیں!''

یہ سن کر مسافر نمبر ایک نے کہا ''اے برادر! معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''انفیارٹی کامپلیکس'' ترے نزدیک دنیا کا اہم ترین مسئلہ ہے!''

یہ سن کر مسافر نمبر تین نے جھوم کر کہا ''اے صاحب وجدان' جی چاہتا ہے تیرا منہ چوم لوں' کہ تو نے میرے دل کے راز کو پا لیا ہے!''

یہ سن کر مسافر نمبر دو نے ایک بار تھوکا' پھر کھنکارا اور گلا صاف کر کے بولا ''صاحبو! یہ انفیارٹی کامپلیکس والا شخص بکواس کرتا ہے' اور خرافات بکتا ہے۔ میری داستان اس سے کہیں زیادہ دردناک ہے۔ جو انسان ''آڈی پس کامپلیکس'' کا شکار ہو جائے تو وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنی ''ایگو'' اور ''سپر ایگو'' کے درمیان دوسری عالمگیر جنگ سے بھی زیادہ خوفناک جنگ ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

Marfat.com
Marfat.com

ایک طرف ''آڈی پس کامپلیکس'' کی جانگنی ہے' اور دوسری طرف ایگو اور سپر ایگو کا رگڑا ہے۔ تیسری جانب ''لی بی ڈو'' میں وہ قیامت کے زلزلے آ رہے ہیں کہ خدا کی پناہ دوستو! میں تو بھی تنگ آیا ایسی زیست کرنے سے! جس ناری کو دیکھتا ہوں فٹ اس پر عاشق ہو جاتا ہوں شراب پی پی کر میرا بھومر نکل گیا ہے' اور پیشہ عاشقی سے قبر کے دہانے تک آ پہنچا ہوں' یہ خانہ خراب ''لی بی ڈو'' کی آگ' جہنم کے شعلوں سے زیادہ تیز ہے۔ دنیا نے اگر مکمل فحاشی اور انتہائی بھیانک قسم کی بد اخلاقی کی راہ اختیار نہ کی' اور بالکل وحشی نہ ہو گئے تو ہرگز ہرگز خوش نہیں رہ سکتے۔''

یہ سن کر مسافر نمبر ایک نے کہا! ''اے جان برادر! کیا تیرے نزدیک جنسیات کا مسئلہ ہی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے؟''

''اور نہیں تو کیا؟'' تیسرے مسافر نے کہا'' اتنی دیر سے آخر کیا بکواس کر رہا ہوں۔''

''تیرا خیال بالکل ہی غلط ہے میاں!'' اب مسافر نمبر چار نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کر عالمانہ انداز میں کہا'' ہم ایسے معلم اخلاق سے یہ احمقانہ بات نہ کر آپ لوگوں کو شاید نہیں معلوم کہ تمام دنیا کو راہ اخلاقیات کے درس کا ٹھیکہ مولائے نامدار نے اس ناچیز کے سپرد کیا ہے۔ میرے لیکچر عموماً شب ہجراں اور زلف محبوب کی مثال طوالانی ہوتے ہیں۔ صاحبو! یہ حقیر فقیر پر تقصیر' دلدادۂ تقریر' دیوانہ انجیر اب تک کروڑوں انسانوں کو درس اخلاق دے چکا ہے۔ فدوی نے اپنے مشن کا آغاز جرائم پیشہ افراد کے آستانے سے کیا۔ اس ہیچمدان نے دنیا بھر کے چوروں اور ڈاکوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا اور پھر ایک ایسی تقریر کی جس کی شیرینی شہد کی مکھیوں کو کھینچ لائی۔ میں نے مجرموں سے کہا کہ جرم مت کرو' بہت بری بات ہے۔ جس پر وہ مجرم بولے' آپ کا حکم سر آنکھوں پر' لیکن یہ بات تو ہم پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ چونکہ میرا مشن پورا ہو چکا

Marfat.com
Marfat.com

تھا۔ میں وہاں سے چل نکلا پھر میں رشوت خوروں کے پاس پہنچا پھر سمگلروں سے رابطہ پیدا کیا اور اس کے بعد منشیات کا کاروبار کرنے والوں کی خوفناک دلدل میں دھنس گیا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com
Marfat.com

سے بیٹھ گئے اور آگ تاپنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک مسافر نے کہا ''ہم اپنے الفاظ واپس لینے کو تیار ہیں' بشرطیکہ تو بھنے ہوئے مرغ اور روغنی نان پر اجارہ داری سے دست کش ہونے کا اعلان کر دے۔''

یہ سن کر مسافر نمبر ایک نے دسترخوان بچھایا' مرغ اور نان نکال کر اس پر رکھ دیے اور بولا ''یارو یہ بھوک بڑی ظالم چیز ہے' [illegible] ڈھا جاتی ہے۔''

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# رین بو ٹراؤٹ

ایک روز جب میں اپنے صاحب بہادر کی خدمت میں پولیس ہیڈ کوارٹر حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر مبہوت رہ گیا کہ صاحب بہادر پانی کے ٹب میں بیٹھے سگار سے دھواں اڑا رہے ہیں۔ ان کے سر پر آئس بیگ رکھا ہوا ہے اور چہرے پر سخت پریشانی کے آثار ہویدا ہیں۔

صاحب مجھ سے خاصے بے تکلف تھے لہٰذا میں نے ازراہ تفنن کہا ''آج آپ کے سر پر صحرائے کالا ہاری کی جگہ بحر منجمد شمالی کا سا سماں ہے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس حیرت ناک جغرافیائی تبدیلی کا پس منظر کیا ہے؟''

''بکواس بند کر یار!.....'' صاحب بہادر نے ناگواری سے کہا ''ملکی معیشت زبردست خطرے میں ہے'' پھر انہوں نے کچھ توقف کے بعد کہا ''میری نوکری بھی خطرے میں ہے! زرمبادلہ کے سٹاک میں کمی ہو رہی ہے' حصص کے بھاؤ تیزی سے گر رہے ہیں اور پرائیویٹ سیکٹر میں انوسٹمنٹ بالکل بند ہے'' یہ کہہ کر صاحب نے ایک دستاویز میرے ہاتھ میں تھما دی اور پھر آنکھیں موند لیں۔ میں نے اس دستاویز کا

Marfat.com
Marfat.com

مطالعہ کیا اور کہا "صاحب یہاں جلد جلد رین بو راوٹ کا ذکر آیا ہے یہ جنجال ہمارا نہیں، محکمہ ماہی پروری کا ہے!"

"یہ ہمارا کوڈ ورڈ ہے پیارے" صاحب نے کہا "رین بو راوٹ ایک ایسی خوبصورت عورت کا نام ہے جسے تم نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔ اس عورت نے ملک بھر کے صنعتکاروں سرمایہ داروں اور سیٹھوں کی زندگی حرام کر کے رکھ دی ہے۔ ہزاروں کا ہارٹ فیل ہو چکا ہے، سینکڑوں دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں اور اب اس کی بے ہودہ لعنت سے بے نیاز ہو کر سڑکوں پر خرافات بکتے نظر آتے ہیں۔ سینکڑوں سرمایہ داروں کا ایک طبقہ دھمال کھیلنے میں مصروف ہے اور ہزاروں چوبیس گھنٹے شراب کے نشے میں دھت نظر آتے ہیں، فقط چند ایک سیٹھ ہی باقی ہیں جن کا واسطہ اس رین بو راوٹ سے نہیں پڑا۔"

"یار!" صاحب بہادر نے التجا کی "کیا تم تھوڑے عرصے کے لئے اور بلاؤ نہیں بن سکتے؟"

"وہ کونسا جانور ہے جو ہم لوگ نہیں بن سکتے جناب!" میں نے جواب دیا "بس ایک من جعلی نوٹ درکار ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے" صاحب نے سر سے آئس بیگ اتار کر پھر سے جغرافیہ بدل دیا اور بولے "تم اور بلاؤ بن جاؤ؟ میں کل صبح تک تمہارا انتظار کروں گا!"

دوسرے روز شام کے وقت میں نے بھیس بدلا اور سیٹھوں کی معروف تفریح گاہ ایکس وائی کلب جا پہنچا۔ کچھ دیر بلیئرڈ کھیلا اور جوئے میں بھاری رقم ہار دی۔ پھر میں نے کافی اور کیک منگوایا اور ویٹر کو اس قدر زبردست ڈپٹ دی کہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے ملازمت پر لعنت بھیجی اور کلب کے منیجر کو گالیاں سناتا ہوا رخصت ہوا۔ یہ ماجرا دیکھ کر انشورنس کمپنی کا ایک بڑا عہدے دار میرے پاس آیا اور بولا "یہ زندگی

Marfat.com
Marfat.com

فانی ہے!''

میں نے اس کا کان پکڑ کے زور سے مروڑا اس کی شکل مضحکہ خیز حد تک بگڑ گئی! اس کے بعد ایک زور کی لات اس کے چوتڑوں پر رسید کی اور وہ الٹا جا گرا۔ وہ پھر اٹھا اور بولا ''صاحب آپ پاگل تو نئیں ہیں؟'' میں نے کہا ''او بیوقوف دولت کے دیوانے کو پاگل نہیں کہتے۔ وہ آدمی لڑکھڑاتا ہوا رخصت ہوا' اور تھوڑی دور جا کر ہنسنے لگا اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا ''کیسا کیسا چلرم تیری دنیا میں پڑا اے مرے مولا!''

یہ تمام غیر معمولی حرکات میں اس لئے کر رہا تھا' کہ اس کی خبر رین بوٹراوٹ کو ملے اور وہ مجھے بیوقوف بنانے کے لئے' کسی بہانے سے میرے سامنے آجائے! اور پھر ہوا بھی یہی!

ایک شب کلب میں رقص و سرود کا جشن اپنے عروج پر تھا کہ کسی نے چیخ ماری ''آ گئی!'' اور پھر اس کے ساتھ ہی تمام سیٹھ دوسرے دروازے سے باہر کو بھاگے' شیشے ٹوٹنے لگے' بوتلیں ہوا میں اڑنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایکس وائی کلب پر ہو کا عالم طاری ہو گیا۔ ایسے میں مجھے رنگ و نور کا ایک ایسا طوفان نظر آیا کہ میرے منہ سے بے اختیار نکلا کیا چیز بنائی ہے تو نے مولا! کاش کہ میری تقدیر بھی خوبصورت بنائی ہوتی!

اب میں کلب کے منیجر کے پاس گیا اور اس کے سر پر ایسی دھپ جمائی کہ اس کا آدھا چہرہ ٹوپی میں چھپ گیا وہ بولا ''اپن سے کیا غلطی ہوئی اے سرکار؟'' اس نے ٹوپی کے اندر ہی سے پوچھا۔ میں نے کہا ''او خانہ خراب' یہ خاتون کون ہے جس کو دیکھتے ہی گریبان پھاڑ کر جنگلوں کو نکل جانے کا خیال آتا ہے؟'' اس کے ساتھ ہی میں نے نوٹوں کی ایک بھاری گڈی اس کو تھما دی۔ اس نے کہا ''صاحب یہ بجلی اے بجلی! جس کوں آگ لگانے کوں آیا اے!'' اس کے بعد اس نے ٹوپی اتار کے ایک طرف

Marfat.com
Marfat.com

رکھ دی اور مجھے اس کے حالات کے بارے میں ایسی معلومات فراہم کیں کہ میرے لئے اسے شیشے میں اتارنا آسان ہو گیا!

اور پھر شیشے میں اترنے کے بعد وہ شراب کی بوتل دکھائی دینے لگی! تو میں نے دل ہی دل میں کہا۔

''شراب دیے بند بوتلے تینوں چین نہ نصیباں والے!'' میں گھر واپس آیا اور صاحب کو فون کیا دوسری طرف سے آواز آئی ''یہ کس کتے نے مجھے اس وقت جگایا ہے؟'' میں نے عرض کیا ''حضور رین بو ٹراوٹ پھنس گئی ہے!''

''ابے گدھے'' صاحب نے غصے میں چلا کر کہا ''پھنسی نہیں وہ تم کو پھنسانے کے چکر میں ہے' مجھے اس کی رپورٹ پہلے ہی مل چکی ہے'' یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا!

ایک شب رقص کے دوران میں نے اس سے کہا ''یہ جنس جس کو عورت کہتے ہیں' نہایت بے وفا اور بہت ظالم ہوتی ہے' خاص طور پر نہایت خوبصورت اور دلفریب عورت [illegible] جگت گرو کبیر کی کویتا میں یہی لکھا ہے۔''

اس نے جل کر کہا ''اور یہ مرد نہایت ہی دھوکے باز اور خود غرض ہوتے ہیں'' میں نے مسکرا کے پوچھا ''وہ کیسے؟'' اس سوال پر وہ خاموش ہو گئی پھر اداس ہو گئی اور پھر اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے [illegible] سے پوچھا ''کیا بات ہے؟'' وہ بولی ''مجھے [illegible] بھی محبت کی وہ قہر کی اور ظالم بے وفا نکلا [illegible]

''غالباً اس طرح جیسے ایٹم بم سے ہیروشیما [illegible] سمجھیں [illegible] وقت مذاق کی سوجھتی ہے'' یہ کہہ کر اس نے مجھے [illegible] سے ایک طمانچہ رسید کیا اور چلی گئی!

Marfat.com
Marfat.com

میں گھر آ گیا اور نیچے کو جھکی ہوئی احمقانہ مونچھیں اتار کے سو گیا۔ ابھی میری آنکھ لگی ہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی! میں نے رسیور اٹھایا ''ہیلو'' آواز آئی ''ارے سیٹھ بدھو بھائی چاندی والا اس کھوبصورت عورت کے چکر میں نئیں آنا سالا تم کوں ایسا ماریں گا کہ پانی تلاس کرو گے۔''

''اچھا'' میں نے کہا ''میں پانی تلاش کرنے جاتا ہوں' تم بک بک بند کرو'' میں نے رسیور رکھا ہی تھا کہ دوسری کال آئی ''ارے بدھو بھائی'' کسی اور شخص نے کہا ''جندگی کوں برباد کرنا ایں تو سالا دریا میں کلٹی مارو نئیں' اس عورت سے سادی کر کے سالا پاگل ہو جائیں گا!''

''پاگل ہو چکا ہوں بھائی!'' میں نے فون کی تار کاٹ دی اور آرام سے سو گیا!

صبح میں ابھی شیو کر کے فارغ ہوا ہی تھا کہ کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی' میں نے کہا ''آ جایئے'' دیکھتے ہی دیکھتے ایک لحیم شحیم اور لمبا تڑنگا آدمی کمرے میں داخل ہوا اور دھاڑا ''ہاؤ...... یہ سیٹھ بدھو بھائی کہاں ہے؟ اس نے میری محبوبہ کو مجھ سے چھین لیا ہے' میں اس کے خون کا پیاسا ہوں!

''درست ہے'' میں نے سکون سے کہا ''خون کی پیاس ناقابل برداشت ہوتی ہے' یقیناً پچھلے جنم میں آپ گلدار یا چیتے کی قماش کی کوئی بدذات چیز رہے ہوں گے!''

''بدمعاش'' وہ شخص پستول نکال کر چلایا ''تمہاری یہ جرأت؟'' میں نے جھپاک سے اس کا پستول چھینا اور اسے آتشدان میں جھونک کر کہا ''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ بتایئے کہ سیٹھ صاحب سے کتنی رقم دلوا دوں؟ آدھوں آدھ' اور ہاتھوں ہاتھ!''

Marfat.com
Marfat.com

وہ شخص حیران اور پریشان کھڑا میرا منہ دیکھتا رہ گیا میں نے کہا ''نواب یاور جنگ آپ خاموش کیوں ہیں؟'' اس نے حیرت سے کہا ''یار تم مجھے کس طرح پہچان گئے؟'' میں نے کہا ''اے گرو گھنٹال تیرا غصہ نقلی تھا۔ تیری آواز نقلی تھی، تیرا پستول نقلی تھا، اور سب سے بڑی بات یہ کہ تیرا نام نقلی تھا۔''

''لیکن تمہیں پتہ کیسے چلا کہ یہ سب کچھ نقلی ہے؟''

''اس لیے کہ میں خود بھی نقلی ہوں۔ لو بیٹھو اس کرسی پر پہلے شربت انناس پی لو۔''

میں نے اپنے ہاتھ سے شربت تیار کیا اور اس میں دوائے بے ہوشی ملا دی، اور پھر سیٹھ بدھو بھائی سے مذاکرات کے بہانے خوابگاہ میں آ کر اطمینان سے اخبار پڑھنے لگا۔ اخبار پڑھ چکا تو شربت انناس اپنا رنگ دکھا چکا تھا اور نواب بہادر کرسی پر بے ہوش پڑے تھے۔ میں نے ان کی مونچھوں پر استرا پھیر کے ان کے سر پر کھڑے جنگل کو صحرا میں تبدیل کر دیا۔ پھر ان کے چہرے پر مختلف رنگ پھیر دیئے، اور پھر انہیں کار میں ڈال کر دور بیابان میں چھوڑ آیا!

اس واقعے کے چند روز بعد میں رین بو ہوٹل کے ساتھ تھری پیس ٹیون ناچ رہا تھا کہ اس نے موسیقی کے سروں میں کہا ''آپ۔ آپ آپ!'' میں نے سُر میں سُر ملا کر جواب دیا ''ٹینا رنگ، ٹینا رنگ، ٹینا رنگ!'' وہ انہیں سروں میں بولی ''مت کر بک بک، مت کر بک بک، میری بات سُن، میری بات سُن!'' میں نے کہا ''سُن سُن سُن تا تا تا، ہوں ہوں ہوں!'' اس نے رقص ختم کر دیا، میز پر آ کر وہسکی کا گھونٹ پیا، اور پھر مجھے زور کا طمانچہ رسید کر دیا۔ اور حکم دیا کہ میں اپنے مینیجر پرائیویٹ سیکریٹری کو برطرف کر دوں۔ اس کے بعد اس نے اپنے یاروں سے رمی کھیلنے کے لئے مجھ سے ایک لاکھ روپے لیے اور چلی گئی!

Marfat.com
Marfat.com

اب کے نواب یاور جنگ بہادر تشریف لائے تو مجھے نئے حلیے میں دیکھ کر پہچاننے سے یکسر قاصد رہے۔ میں نے ان کو ایک بریف کیس پیش کیا' اور کہا کہ سیٹھ بدھو بھائی نے پچاس لاکھ کے نوٹ دیئے ہیں گن لیجئے! انہوں نے یہ پیغام بھی دیا ہے۔ عاشقی کرنا تو ایک سیں کرنا' عسق دوٹھور بے حیائی ہے۔ یہ کہہ کر میں کمرے سے نکل آیا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔ نواب یاور جنگ نے جونہی بریف کیس کھولا تو ایک دھماکہ ہوااور وہ زہریلی گیس کا بم پھٹنے سے بے ہوش ہو گئے۔ میں نے ماسک پہن کر دروازہ کھولا ان کو جنگل میں اس جگہ چھوڑ آیا جہاں ہر طرف گوشت خور چیونٹیاں تھیں!!

اب کی بار کلب گیا تو اس حسینہ نے مجھے وہ بے بھاؤ کی سنائیں کہ توبہ ہی بھلی! آخر مجھے تیسرا پرائیویٹ سیکریٹری رکھنا پڑ گیا!

کچھ روز بعد نواب یاور پھر تشریف لائے' اور تیسرے پرائیویٹ سیکریٹری کو بھی پہچاننے میں ناکام رہے۔ میں نے بڑے ادب اور احترام سے ان کا استقبال کیا اور ایک چاندی کا کٹورا ان کے سامنے رکھ کر کہا اس کے اندر بیس پرچیاں ہیں اور ہر پرچی پر ایک بڑی رقم تحریر ہے' اس میں سے کوئی پرچی نکال لئے' اور جو آپ کی قسمت میں ہو گا سو مل جائے گا!''

نواب یاور جنگ نے کہا ''درست ہے!'' جونہی انہوں نے کٹورے میں ہاتھ ڈالا' تو کٹورے کے تلے میں بیٹھے ہوئے بچھو نے اپنی عادت سے مجبور ہونے کا ثبوت پیش کر دیا۔ اور نواب یاور جنگ تڑپنے پھڑ کنے' اور لہو کو گرم رکھنے کے ہزار بہانے بنانے لگے!

اب میں نے اپنے خوفناک بلڈاگ کو آواز دی اور کہا ''جیکی ہوشے! نواب صاحب باہر کو بھاگے' جیکی ان کے پیچھے دوڑا اور جب واپس آیا تو اس کے منہ میں نواب صاحب کی پتلون کا ٹکڑا تھا!

Marfat.com
Marfat.com

دوسرے روز میں پرائیویٹ سیکریٹری بن کر ناول پڑھ رہا تھا کہ باہر کسی کار کے رکنے کی آواز آئی۔ میں نے جھٹ ناول کو میز کی دراز میں رکھ دیا اور جھوٹ موٹ فائلیں اور کاغذات دیکھنے لگا۔ اب کی بار خود رین بوٹراوٹ بھی مجھے بدلے ہوئے بھیس میں پہچاننے سے قاصر رہی' اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس نے میرا صحیح حلیہ دیکھا ہی کب تھا کہ مجھے پہچان سکتی! اس نے اندر آ کر میز پر پانچ لاکھ روپے رکھ دیئے' اور بولی'' کل دوپہر تک سیٹھ بدھو بھائی کے تمام اہم کاغذات کی کاپیاں مجھے مل جانی چاہئیں' خاص طور پر ان کے کالے دھن اور انکم ٹیکس کی بچائی ہوئی تمام رقوم کے ثبوت! اب میں کسی مردے دھوکا کھانے کو تیار نہیں ہوں!''

''مادام'' میں نے عرض کیا'' ایک ہی چیز بار بار کھانے سے جی بھر جاتا ہے اس ملک میں چونکہ وفا' دیانت داری اور ایمان جیسی اشیا باقی نہیں رہیں' اس لئے اس رقم کو تہہ دل سے قبول کر کے' آپ کا حکم تسلیم کرتا ہوں!''

اس واقعہ کے بعد میں پھر ایکس وائی کلب نہیں گیا۔ اور کچھ روز بعد رین بوٹراوٹ آ کر وہ تمام جعلی کاغذات لے گئی' جو مرکچھ اور دبا دو کی ملی بھگت سے تیار کروائے گئے تھے!

اس کے بعد میں ایکس وائی کلب نہیں گیا' اور رین بوٹراوٹ کے اگلے قدم کا انتظار کرنے لگا!

ایک شب کو مجھے بجلی کے جھولنے کی آواز نے جگا دیا۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا' رین بوٹراوٹ نشے میں بدمست کار سے لڑکھڑاتی ہوئی نکلی' جونہی اس کافر ادا نے خوابگاہ میں قدم رکھا تو میں نے مارے خوشی کے بستر سے اچھل کر اپنا سر اس کے پیروں پر رکھ دیا'' ملکہ دو عالم کیا پیش کروں؟ دل پیش کروں کہ جان پیش کروں؟''

اس نے کہا'' بکواس مت کرو' میں نے تمہارا شادی کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے!''

Marfat.com
Marfat.com

یہ سن کر میں حالت وجد میں رقص کرنے لگا' اس نے کہا'' کل چار بجے' کنگ کانگ ہوٹل میں' سمجھے؟''

''ہی ہی ہی'' میں نے دانت نکوس دیئے اور کہا'' سادی نئیں سمجھوں گا تو اور کیا سمجھوں گا؟'' پھر میں احمقوں کی طرح خوشی سے ناچنے لگا'' کل کنگ کانگ میں' ہیرے ہوں تری مانگ میں' وہ اٹھلاتی ہوئی باہر کار میں جابیٹھی اور میں نے دیکھا کہ شوفر کے فرائض نواب یاور جنگ انجام دے رہے ہیں!''

سہاگ کی رات تھی' اور میری چھٹی حس مجھے بتا رہی تھی کہ مجھے رین بوٹراوٹ کی طرف سے کوئی بہت بڑا شاک دینے کی کوشش کی جائے گی! اور پھر ایسا ہی ہوا۔ میں اس کا گھونگٹ اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا کہ اس نے کہا'' ایک لاکھ روپے چاہئیں' مجھے اپنے یاروں کے ساتھ رمی کھیلنا ہے!'' میں نے کہا'' آج تو تم اور ہم جندگی میں پہلی بار رمی کھیلیں گا؟''

''بک بک بند کرو'' اس نے نہایت کٹھور پن سے کہا'' مجھے دیر ہو رہی ہے!''

''اچھا'' میں نے کہا'' تمہاری مرضی' لیکن صبح کی اذان سے پہلے گھر آ جانا سمجھائیں؟ نئیں تو ہمارا بدنامی ہوئیں گا!'' میں نے الماری کھول کر اسے ایک لاکھ کے نوٹ تھما دیئے! میرے اس عجیب و غریب پرسکون رویے سے اس کو عجیب سا جھٹکا لگا اس کا خیال تھا کہ ایسے موقعے پر میں غصے اور مایوسی سے پاگل ہو جاؤں گا' اور عین ممکن ہے کہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے!

اس نام نہاد سہاگ رات کے بعد پورے دو ہفتے تک اس خاتون کا پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گئی!

ایک روز میں ابھی صبح کی چائے پی رہا تھا کہ مجھے ایک بڑا لفافہ موصول ہوا جس میں ایک ماہر قانون کی طرف سے رین بوٹراوٹ نے مجھ سے طلاق' حق مہر اور

Marfat.com
Marfat.com

ہرجانہ طلب کیا تھا وجہ یہ بتائی گئی تھی کہ میں احمقانہ گفتگو کرتا ہوں' دوسرا الزام یہ تھا کہ میں شرابی ہوں' تیسرا الزام یہ تھا کہ میں جواکھیلتا ہوں اور یہ سب کچھ اس کی عابد وزاہد موکل کوسخت ناپسند ہے!

میں نے وردی پہنی' اور کاغذات ساتھ لے کر دفتر کو چل دیا۔

اگلے روز جب میرے ملازم نے مجھے بستر پر چائے کی پیالی اور صبح کا اخبار لا کر دیا تو شہ سرخیوں کے ساتھ بڑی خوشخبریاں تھیں!'' شادی نے جعلی کاغذات بنا کر کروڑوں روپے بٹورنے کی کوشش میں ایک بار سوخ اور دولت مند حسینہ گرفتار! اس کا فرادا دلربا' اور بے حیا عورت کے ساتھ ایک عادی مجرم جعلی نوٹ چلانے کے الزام میں پکڑا گیا۔''

شام کو جب میں ایکس وائی کلب پہنچا تو وہاں میں نے تمام بڑے سیٹھوں کا جمگھٹا دیکھا جنہوں نے مجھے دیکھتے ہی تالیوں سے میرا استقبال کیا' اور مارے خوشی کے پاگل ہوکر بولے'' سالا تم تو چھپا رستم اے'' اس کے بعد شیمپین کے جام لہرانے لگے' اور سیٹھوں نے مجھے کاندھے پر اٹھا لیا' اور ڈانس کرنے کانے لگے' رستم چھپا رے' رستم چھپا!''

اس کے بعد حصص کے بھاؤ بڑھنے لگے' اور سرمایہ کاری میں زبردست اضافہ ہونے لگا اور ملکی معیشت بحال ہوگئی!

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# جانوروں کی کانفرنس

جنگل میں ایک جلسہ برپا ہے۔ شیر بہادر صدارت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ آس پاس درختوں پر ہر طرح کے پرندے اجلاس کی کاروائی دیکھ رہے ہیں۔
خرگوش کی تقریر جاری ہے ''صاحب صدر مجھے صدیوں سے ''خر'' گوش کہا جاتا ہے۔ لیکن اب چونکہ میری مالی حالت بہتر ہو چکی ہے اس لئے اب یہ بات لازمی ہو گئی ہے کہ اب فدوی کو ''اسپ'' گوش کہہ کر پکارا جائے کیونکہ دولت خر کو اسپ بنا دیتی ہے جناب بھیڑیا وجدانی نے ثابت کیا ہے کہ جب کوئی انسان دولت مند ہو جاتا ہے تو اس کا نام' اس کی ذات' کنیت' حتیٰ کہ حلیہ' صورت اور سیرت تک بدل جاتے ہیں۔ دولت آ جانے کے بعد سب سے پہلے آنکھیں بدلتی ہیں اس کے بعد خون بدلتا ہے' اور سرخ سے سفید ہو جاتا ہے اس کے بعد دل پتھر ہو جاتا ہے اور پھر
''مسٹر گوش'' ایک غیر ملکی بگلے نے درخت پر سے کہا '' آپ کی تقریر مطول ہوتی جارہی ہے میں رپورٹر ہوں عالمی جانورستان نیوز ایجنسی کا میں آپ کی بکواس کو اپنی رپورٹ سے خارج کردوں گا۔''

Marfat.com
Marfat.com

خرگوش نے کہا'' بھائی صاحب یہ آپ کی زیادتی ہے مجھے زیادہ سے زیادہ پبلسٹی ملنی چاہیے میں نے تقریر کو مطول ہی اس وجہ سے کہا ہے۔''

غیر ملکی بگلے نے کہا'' مسٹر خرگوش اگر آپ خاکسار کو کسی ایسے تالاب کا پتہ بتا دیں جس کی مچھلیاں پسماندہ ممالک کے عوام کی طرح بیوقوف ہوں تو اس صورت میں آپ کی تقریر کے ایک ایک لفظ کی رپورٹنگ کروں گا اس کے علاوہ میرے پاس ٹیپ ریکارڈر بھی ہے اور میں ایسی بگلی کی تلاش میں ہوں جو مغرب زدہ ہو اور میرے ساتھ مغربی طرز کی دھنوں پر رقص فرما سکے کیوں مسٹر خرگوش کیا خیال ہے آپ کا؟''

خرگوش بولا'' مجھے خرگوش کہہ کر آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے مسٹر بگلا مغربی اب صرف ''اسپ'' کہلوانا باقی ہے اور اس کے لئے میں رشوت دینے کو تیار ہوں۔''

''رشوت'' شیر نے حیرت سے پوچھا'' یہ کیا چیز ہوتی ہے؟''

''حضور'' درخت کے اوپر سے ہدہد نے کہا'' یہ ایک شئے لطیف کا نام ہے جو انسانی معاشرے میں تہذیب کی ابتدا سے ہی رائج ہے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے کسی کو خوش کیا جائے تو اس خوشی کو ''رشوت'' کہتے ہیں۔ دنیا میں اس کی سینکڑوں اقسام ہیں جن میں دولت اور مدحت معروف ترین ہیں۔''

''اخاہ'' شیر نے کہا'' برادرم مدحت کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ ہاں تو میاں خرگوش آپ کیا کہہ رہے تھے۔؟''

''کہنا تو بہت کچھ تھا عالیجاہ'' خرگوش ٹھنڈی آہ بھر کے بولا'' لیکن اب کچھ نہیں کہوں گا۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' شیر نے حیرت سے پوچھا۔

''جناب والا'' خرگوش نے کہا'' لومڑی جو ہماری برادری سے لہوٹیکس وصول کرتی ہے اس پر نظر پڑتے ہی اداس ہو گیا ہوں ہم نے لاکھ جتن کر دیکھے ہیں لیکن

Marfat.com
Marfat.com

لومڑی اپنی مکاری کی وجہ سے ہمیشہ کامیاب رہی ہمارا خون بہہ رہا ہے اور بہتا رہے گا' کوئی ہے اس کا علاج؟ اسے کہتے ہیں غم دوراں حضور' یہ کمبخت ہر وقت ہر جاندار' شجر' ہجر بلکہ فجر تک کے ساتھ رہتا ہے۔''

''لومڑی کے ساتھ بھی؟'' شیر نے پوچھا۔

''ہاہاہا...... '' لومڑی یکایک ہنس کے بولی'' یہ غم دوراں کیا چیز ہے؟ اور غم جاناں کیا بلا' میں ہر انسان کو الو بنا سکتی ہوں اور ہر الو کو گدھا...... ہاہاہا......''

''بی لومڑی'' شیر نے حیرت سے پوچھا'' یہ تم میں اتنی مکاری کہاں سے آ گئی؟''

لومڑی یہ سن کر مسکرائی اور کہا'' حضور یہ ارتقا کی داستان ہے۔ بہت زمانہ گزرا ہمارے آباؤ اجداد نے یہ فنون لطیفہ یعنی مکر' فریب' عیاری دغا بازی' حضرت انسان سے سیکھی تھی۔ ہماری نسل کا ہر فرد نوع انسان کا بے حد احسان مند ہے۔ ہمارے سر احساس تشکر اور احترام سے جھکے ہوئے ہیں اور آج بھی انسان کی نوسر بازیاں ہمارے لیے مشعل راہ ہیں اس کے کمال فن کی داد نہ دینا ظلم ہوگا۔''

یہ سن کر بھیڑیا اٹھ کھڑا ہوا تقریر شروع کی'' عالیجاہ' بہن لومڑی انسان کی شکر گزار ہے لیکن میرا معاملہ اس کے برعکس ہے مجھے انسان سے بڑی شکایت ہے کیونکہ جہاں بھی ظلم وستم' غارت گری' سنگ دلی کی مثال دینا ہو انسان ہمیشہ بھیڑیے کی مثال پیش کرتا ہے۔ اس برخود غلط حیوان کو کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ میں نے ایک مرتبہ ایک انسان سے کہا تھا کہ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو وہ کہنے لگا کہ میں عاشق ہوں اور عاشق کا گریبان نہیں ہوتا عالیجاہ اس کی حالت زار دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے اسے نئی قمیض سلوا دی اور کہا کہ اب گھر کو جاؤ دوبارہ ادھر آیا تو کھا جاؤں گا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا میں کہہ رہا تھا کہ حضرت

Marfat.com
Marfat.com

انسان کو آخر اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں نظر نہیں آتا؟ انسانی معاشرے میں ظلم و ستم، تباہی، ہلاکت اور خون ریزی کی وہ تابناک روایات نظر آتی ہیں کہ جن کی چمک دمک اور چکا چوند سے ہر بھیڑیا اندھا ہو سکتا ہے کئی بھیڑیے انسانی بستیوں کے قریب سے گزرے تو مظلوموں کی چیخ پکار سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مرحوم بھیڑیا وجدانی ایک بڑے مورخ تھے انہوں نے اپنی تصانیف میں ''ہیروشیما'' کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایسے میں وہ کئی بار غش کھا کر گر پڑے۔''

بھیڑیے نے اپنی تقریر ختم کی تو ریچھ اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا ''عالیجاہ ایجنڈے کے مطابق اب میری باری ہے۔ مجھے انسانوں سے سخت شکایت ہے کہ یہ لوگ جنگلوں میں شکار کے لیے اور پکنک منانے کے لیے آتے ہیں اور ان کو دیکھ کر ریچھ برادری کے نوجوانوں کے اخلاق پر نہایت مہلک اثرات مرتب ہو رہے ہیں کیونکہ یہ بر خود غلط حیوان فسق و فجور میں یکتا اور فطرت کے اصولوں کو پامال کرنے میں یگانۂ روزگار ہے ان کی معاشرت میں ایسی عجیب و غریب، شرمناک اور محیر العقول روایات پائی جاتی ہیں کہ میں انہیں اگر یہاں آشکار کر دوں تو کانفرنس کے تمام شرکاء بے ہوش ہو جائیں اور جب آنکھ کھلے تو خود کو کسی سرکس میں پائیں۔ حضور والا! ہم لوگ کسی خاص موسم میں عشق کی مستی جھاڑا کرتے ہیں لیکن یہ واردات عشق حضرت انسان پر دن کے چوبیس گھنٹے اور سال کے بارہ مہینے طاری رہتی ہے۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ انسانوں کو آداب فطرت کا سبق پڑھائیں۔ اور اسے پاگل پن سے بچائیں۔''

''یہ پاگل کیا ہوتا ہے جناب ریچھ صاحب'' بھیڑیے نے پوچھا۔

''پاگل اسے کہتے ہیں جو فطرت کی ودیعت کردہ عقل سے محروم ہو جائے۔''

''اس لحاظ سے تو سب انسان ہی پاگل ہوئے ریچھ میاں'' شیر نے کہا ''کیا خیال ہے تمہارا'' ریچھ کہنے لگا ''حضور درست کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انسان جو اتک

Marfat.com
Marfat.com

بھی کھیلتے ہیں۔''

شیر بولا''یہ جوا کیا بلا ہے؟''

''جناب عالی'' ریچھ نے بتایا''جوئے کا مطلب ہے ہاتھ پیر ہلائے بغیر کسی کی دولت اپنے ہاتھ آ جائے۔''

''کیا شرمناک بات ہے'' شیر نے کہا''جنگل کا قانون تو یہ ہے کہ ہاتھ پیر ہلائے بغیر کچھ بھی نہ مل سکے۔''

حضور'' ریچھ نے خوشامد سے دانت نکال کر کہا'' ملاحظہ ہو انسان جنگل کے قانون کو اپنے لیے سب سے بڑی بدعت سمجھتا ہے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے میاں'' شیر نے کہا''ہم انسان کے قانون کو بدعت سمجھتے ہیں...... ہاں تو میاں ریچھ کے بعد کس کی باری ہے؟''

''جناب صدر'' ہاتھی نے اٹھ کر کہا،''میں جنگل کے تمام جانوروں سے معافی مانگنے آیا ہوں۔''

''معافی؟'' شیر نے حیران ہو کر پوچھا''ہاتھی میاں معافی کس بات کی؟ اول تو ہم لوگ خطا نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو پھر اسے کوئی معاف نہیں کرتا حساب وہیں صاف ہو جاتا ہے۔ آخر ماجرا کیا ہے؟''

''جناب والا'' ہاتھی نے کہا''عرصہ ہوا کہ میرے آباؤ اجداد انسانوں کے ہاتھ لگ گئے ان کو پتہ چلا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور بس اس زمانے سے انسان نے اس اصول کو اپنا لیا اور اسے''تہذیب'' کا خوبصورت عنوان عنایت فرمایا۔ حالانکہ اصل میں یہ بدترین قسم کی منافقت تھی۔''

''آخاہ'' شیر بولا''میاں ہاتھی تم اپنی شرافت طبعی کے باعث شرمسار ہوئے ورنہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں کیا آپ اس نکتے پر مزید کچھ روشنی ڈالیں گے؟''

Marfat.com
Marfat.com

"جی ہاں حضور والا!" میں ان حقائق پر سورج کی روشنی، چاندنی روشنی، تاروں کی روشنی اور اس کے بعد جگنو کی روشنی ڈالوں گا تاکہ کوئی بھی نقطہ رہ نہ جائے جہاں تک بجلی کے قمقموں اور سرچ لائٹ وغیرہ کی روشنی کا تعلق ہے میں اس روشنی سے گریز کروں گا کیونکہ یہ روشنی مصنوعی ہے یہ تہذیب کی روشنی ہے جس میں کائنات سے بدترین کن وجود میں آتے ہیں۔"

"اب کس کی باری ہے؟" یہ کہہ کر بندر درخت سے کودا اور انگور کھاتے ہوئے بولا "حضور! مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ جو کچھ میں آئے سو کہہ لیجئے مگر خدا کے لیے یہ غلط فہمی دور کر دیجئے کہ انسان ہماری نسل سے ہے۔"

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ اسلحہ آتشیں کا استعمال نہیں جانتے، ہمارا معاشرہ جرائم سے پاک ہے، بندر بھی پاگل نہیں ہوتے، ہم لوگوں میں نہ سرمایہ داری کا جھگڑا ہے اور نہ اشتراکیت کا جھنجھٹ، بندروں میں مکمل مساوات موجود ہے ان میں کوئی آقا ہے نہ غلام، نہ بھکاری نہ غریب نہ امیر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم خوش رہنا جانتے ہیں اور ایک دوسرے سے دشمنی نہیں کرتے۔ انسانوں نے ہم سے دو ہی باتیں سیکھی ہیں ایک تو نقالی اور دوسری تجریدی مصوری، مجھے اعتراف ہے کہ ان امور میں انسان بندروں سے سبقت لے گیا ہے لیکن اس نے ہمارے فلسفہ حیات پر بالکل توجہ نہیں دی، خدا جانے کیوں؟ شیر اب مجھے اجازت دیجئے ایک دوست سے شہتوت کے جھنڈ پر اپائنٹمنٹ ہے خدا حافظ۔

شیر نے کہا "یہ ہمارے سامنے کالی کالی سی شے کیا ہے؟"

"ناچیز کو ناگ کہتے ہیں" کالے ناگ نے پھن اٹھا کر جواب دیا۔

"آہا!" شیر نے کہا "تو آپ ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔"

Marfat.com
Marfat.com

''حضور یہ تو انسان کی ذرہ نوازی اور حسن ظن ہے ورنہ میرا کاٹا پانی ضرور مانگتا ہے۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' شیر نے سوال کیا۔

''جناب والا بس ایک ہی بات عرض کرنے آیا تھا۔ انسانوں میں دولت مند باپ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دولت پر سانپ بن کر بیٹھا ہے۔ یہ مثال سراسر جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے سانپ کبھی دولت پر نہیں بیٹھتا کیونکہ یہ شے ہم سے کہیں زیادہ زہریلی ہوتی ہے۔ جس کا کاٹا واقعی پانی نہیں مانگتا۔

شیر نے کہا'' یہ تمہارے پہلو میں کون بیٹھا ہے سانپ میاں؟ ہم نے اسے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔''

''حضور ناچیز کو بچھو کہتے ہیں' ایک بار ڈسوا کر دیکھ لیں قیامت تک یاد کیجئے گا'' بچھو بولا۔

''ہمیں شیرنی کے طعنے تشنے کیا کم ہیں بچھو میاں کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''حضور میری گھر والی نے میری ناک میں دم کر رکھا ہے وہ کہتی ہے کہ اب انسانوں کی گفتگو میں تمہارے ڈنک سے ہزار گنا زیادہ اثر آ گیا ہے بہتر ہے کہ ڈوب مرا ایک دن سچ مچ ڈوب مرنے کا خیال آیا تھا مگر کوئی چھوانہ ملا' سبھی چھوے انسانی ترقی کی رفتار ناپنے گئے ہوئے تھے کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا خیر مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ انسانوں کو اپنے لب و لہجے سے میرا وجود بیکار اور مہمل ثابت کرنے کے تمام اقدامات سے باز رکھا جائے۔''

''اب کس کی باری ہے!'' شیر نے کہا۔

''حضور'' گیدڑ نے اٹھ کر جواب دیا'' انسانی بستیوں سے ایک وفد آیا ہوا ہے۔ یہ سب سے لمبی شخصیت کے بزرگ اونٹ صاحب ہیں'' اونٹ اس موقع پر اٹھا

Marfat.com
Marfat.com

اور کورنش بجا لایا پھر کہنے لگا ''جناب والا انسان نے یہ جو میرے دل میں زخم ڈال دیئے ہیں کہ اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی'' سب سے پہلے تو انسان مجھے یہ بتائے کہ اس کی اپنی کونسی کل سیدھی ہے؟ حضور والا میں نے پانی پیتے وقت اپنا عکس ہزاروں مرتبہ دیکھا ہے اور خود ہی اپنے آپ پر فدا ہو گیا ہوں اور دل سے یہی نکلا ہے ہے کہ ... نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی ... نرگس میری بیوی کا نام ہے ذرا اس سے بھی کبھی پوچھ کر دیکھئے کہ میں کس قدر حسین ہوں۔ اب گدھے کی باری ہے۔''

''گدھے نے جو اپنا نام سنا تو دانت نکال کر ہنسنے لگا ... ہی ہی ہی ... بابا بابا ... ہو ہو ہو ... ہی ہی ہی ... جنگل کے تمام جانور اسے حیرانی سے دیکھنے لگے وہ اس طرح پاگلوں کے انداز میں قہقہے لگاتا رقص کرنے لگا چا چا چا ... ہا ہا ہا ... سا رے گا ما پا دھا نی۔''

''یہ کیا بکواس ہے'' شیر نے گرج کر کہا۔

''حضور'' گدھے نے کہا۔

''آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے خاکسار نے نہایت مزیدار ہری بھری گھاس کا ناشتہ کیا تھا۔ پیٹ بھر چکا تو معلوم ہوا کہ وہ بھنگ تھی۔ اس وقت میں آپے میں نہیں ہوں۔ میں نشے میں ہوں جناب والا یہ نشہ بھی عجب چیز ہے اس کی ہزاروں قسمیں ہیں جس میں طاقت کا نشہ اور دولت کا نشہ مشہور ہے۔ حضور آج مجھے نشہ ہو گیا ہے تو ساری دنیا کو اس پر اعتراض ہے لیکن جناب عالی خطا معاف کیا آپ کو اپنی طاقت کا نشہ نہیں؟''

''بک بک بند کرو'' شیر نے کہا ''اپنی شکایت پیش کرو اور راستہ ناپو میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتا۔''

''بہت اچھا حضور بہت اچھا حضور اپنی حالت زار پر ذرا غور کر لوں تو کچھ عرض

Marfat.com
Marfat.com

کروں۔''

''یہاں رونے دھونے کا وقت نہیں میاں'' بھیڑیے نے کھڑے ہو کر کہا ''رونے کو ساری عمر پڑی ہے بولو تمہارے مسائل کیا ہیں۔''

''ہائے'' گدھے نے آہ بھر کر کہا'' سب سے بڑا مسئلہ تو یہی ہے کہ دنیا نہ ہنسنے دیتی ہے نہ رونے دیتی ہے کوئی ہے اس کا علاج؟'' تمام جانوروں پر خاموشی چھا گئی پھر گدھے نے کہا۔'' اب سنیئے دوسرے مسئلے کا احوال ...... یہ کہ خاکسار عقل و خرد کے معاملے میں حد سے زیادہ بدنام ہے اور اس بدنامی کے دھبے کو ہمیشہ کے لیے مٹا دینا چاہتا ہے ساری دنیا مجھے گدھا کہہ کر پکارتی ہے میں کہتا ہوں کہ مجھے اس لفظ سے چڑ ہے ...... بند کرو اپنی خرافات گدھا میں ہوں یا انسان؟ اگر قدرت نے مجھے انسانوں جیسا دماغ دیا ہوتا تو قسم ہے مولائے نامدار کی اتنی بڑی بڑی حماقتیں ہرگز نہ کرتا جو انسانوں کا وطیرہ ہے حضور والا ...... اگر میری طرح کسی کا دماغ ہی صفاچٹ ہو تو اسے بے وقوف کہنا عین حماقت ہے بے وقوف اصل میں وہ ہوتا ہے جو اچھا بھلا دماغ رکھتے ہوئے نادانی کرے۔ اجی میں پوچھتا ہوں کہ خدا نے انسان کو کیا دماغ اپنی اور دوسروں کی زندگی کو جہنم بنانے کے لیے دیا تھا؟ دماغ تو فقط اس لیے دیا گیا تھا کہ انسان دوسرے حیوانوں کی نسبت بہتر زندگی گزار سکے لیکن آپ نے خود اس بات کا مشاہدہ کیا ہوگا کہ انسان کی زندگی سب جانوروں سے بدتر زندگی ہے۔ اس برخود غلط حیوان کی راتوں کی نیند حرام ہے اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر ایسی ذمہ داریوں کا بوجھ لاد رکھا ہے جو ہرگز قدرت کا منشا نہیں انسان جونہی ہوش پکڑتا ہے تو اپنے آپ پر خوف طاری کر لیتا ہے اور جینے کی آرزو میں وہ روز مرتا ہے آج ہر انسان نیوراسس کا شکار ہے۔ یہ ایسی بیماری ہے جو کہ نہ جینے دے اور نہ مرنے دے بتایئے ہم میں سے کس کو نیوراسس ہے؟ ہم میں سے کون ماہر نفسیات ہے جو کہ بجلی کے جھٹکے لگا لگا کر ہمارا

Marfat.com
Marfat.com

خانہ خراب کر دے اور فیس کا جھٹکا اس پر مستزاد ہو؟ ہم میں سے کون ہے جو کل کی فکر میں آج کی خوشیوں کو غارت کرے؟ کون ہے جو ہنسنے کی جگہ روتا اور رونے کی جگہ ہنستا ہو؟ میں کہتا ہوں صاحب صدر کہ میرا نام فوری طور پر بدل دیا جائے مجھے اسپ ادنیٰ کہہ لیجئے خدا کے لیے گدھا نہ کہیے۔''

گدھے کی تقریر سن کر جلسے میں بڑا شور برپا ہوا اور اس کی حمایت میں گیدڑ نے ہو ہو ہو کی آواز سے آسمان سر پر اٹھا لیا بھیڑیے نے قہقہہ لگا کر ''یا ہوا وا وا و'' کا فلک شگاف نعرہ بلند کیا لومڑی دونوں پنجوں میں منہ چھپا کر ہنسنے لگی ہی ہی ہی ہو ہو ہو ریچھ نے دونوں ہاتھ سینے پر مارے اور گڑ بڑ گڑ بڑ جھوں کی سی آواز نکال کر مستانہ انداز میں بولا ''یار مزہ آ گیا'' شیر کو بھی ہنسی آ گئی لیکن اس نے اپنی مسکراہٹ کو مونچھوں میں چھپا لیا اور کھنکار کے بولا ''حضرات جناب اسپ ادنیٰ کی تقریر کے بعد کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ جلسہ برخاست کیا جاتا ہے!''

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# اشتہار بازی

اشتہار بازی دورِ صنعت کا ایک نہایت دلچسپ اور سُود مند مشغلہ ہے جس کے لئے ذہن رسا اور دلِ بے درد چاہیے! ذیل میں کامیاب اشتہاروں کے چند نمونے دیئے جاتے ہیں، جس سے اس فن میں (یعنی خلقِ خدا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے ہنر میں) مہارت نصیب ہوگی!

## شادی خانہ آبادی

ایک اسی برس کے خوبرو نوجوان کے لئے (جو لُولا، لنگڑا، اور اندھا ہے، اور جسے ملک بھر کے تجریدی مصوروں نے حُسن کا شاہکار قرار دیا ہے) ایک دلہن درکار ہے! نوجوان دولت مند ہے اور بینک بیلنس نے اس کے حُسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں، اب اسے پانچویں چاند کی ضرورت ہے!

## اخبار کا اشتہار

آپ ہمارے معاشرے کے فرد ہی تو ہیں؟

تو پھر!

Marfat.com
Marfat.com

ظاہر ہے کہ دوسروں کو برباد دیکھ کر آپ کو ایک عجیب مسرت اور بے پایاں لذت ملتی ہوگی!

چنانچہ!

کسی کے گھر کو آگ لگے تو اس کی تصویر!

کوئی قتل ہو جائے تو اس کی تصویر!

مرغی چور اور

نامراد عاشق!

لاش کے ٹکڑے!

اور

مقتول کے رشتہ داروں کا ماتم! تصویریں ہی تصویریں!

ہمارا اخبار ملک کا وہ واحد اخبار ہے جس میں تصویریں زیادہ اور خبریں کم ہوتی ہیں!

مکروہ ترین جرائم کے طوالنی فیچر!

ایک سال میں کم از کم تین سو ساٹھ خاص ایڈیشن مثلاً

فلم ایکٹرس مکھڑا ایڈیشن! فلم ایکٹرس دھڑ ایڈیشن، فلم ایکٹرس کمریا ایڈیشن، فلم ایکٹرس معاشقہ ایڈیشن!

اس کے بعد!

خرکار ایڈیشن، ڈاکو ایڈیشن، پاکٹ مار ایڈیشن، نوسر باز ایڈیشن۔

اور پھر اس کے بعد!

نئی تہذیب مذمت ایڈیشن ننگی تصویروں کے ساتھ!

اور جناب پھر؟

Marfat.com
Marfat.com

پھر جنسیات‘ یعنی آتش بے دود ایڈیشن!

اور آخر میں!

دین داری اور صوم وصلواۃ ایڈیشن!

نوٹ: اداریوں میں ہم جس قسم کی فلموں کے خلاف زہر اگلتے ہیں‘ اور جن رذیل‘ چالباز‘ سفلے اور کمینے‘ حکیموں اور ڈاکٹروں کی تباہ کاریوں کا رونا روتے ہیں‘ انہیں کے اشتہار چھاپنے میں تکلف نہیں کرتے!

اس کو کہتے ہیں عالی ظرفی!

ہمارا اخبار پڑھیے!

بار بار پڑھیے!

بے اختیار پڑھیے!

## فلم کا اشتہار

کمریا موری بل کھائے!

ہائے ہائے!

جان لیوا ہیروئن!

ٹرموہا ہیرو!

دیکھیے

پریم کی چڑیا پنکھ نرالے

دیہات کی سادہ اور معصوم لڑکی

آنکھ مارتی ہے‘ دھڑ ہلاتی ہے‘ کولہے مٹکاتی ہے‘ یاریاں لگاتی ہے۔

تین ہزار ایک سو تین گانے!

نرالے اور انوکھے ناچ!

Marfat.com
Marfat.com

چھمک چھم چھم! چھمک چھم چھم!

## زیورات

کون کہتا ہے کہ تعلیم بہترین زیور ہے!

علم کو سونے سے کیا نسبت؟

ہے کوئی سونے کی چڑیا؟

عالم سدا بہار کام دار!

سنار نے ساری دنیا لوٹ لی!

لٹ جانے کو جی چاہے تو ہماری دکان پر تشریف لائیے!

## پاپوش

آبلہ پا ہونے کے شوق میں شاعر ہمارے بنائے ہوئے جوتے پہنتے ہیں۔ خواتین کو کبھی شکایت نہیں ہوئی کہ جوتا شوہر کے سر پر ٹوٹ گیا۔ جہاں کہیں بھی جوتوں میں دال بٹی ہماری کمپنی کا مال ہی کام میں لایا گیا!

## بینک

آپ کی خدمت ہمارا اولین فرض ہے!

کون کافر منافع کے لئے بینک چلاتا ہے؟

یہ انسانوں کی بے مثال خدمت ہی کا صلہ ہے کہ ہمارا ایک روز کا سرمایہ اب چار ارب تک پہنچ چکا ہے! کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ ہم نے ملک اور قوم کی بے غرض خدمت کی ہے؟

**نوٹ:** ہم لوگ چھوٹے قرض لینے والوں کی کھال کھینچ لیتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر بڑے لوگ اپنے کروڑوں کے قرضے معاف نہیں کرا سکتے!

Marfat.com
Marfat.com

## اسلحہ آتشیں

شریف لوگ اسلحہ آتشیں نہیں رکھتے' لیکن ان بدمعاشوں کو شرم آنی چاہئے جو اس دور جدید میں بھی چاقو' خنجر یا چھرے جیسی چیزوں سے کام لیتے ہیں۔ چوروں اور ڈاکوؤں کو اسلحہ ان کے خفیہ ٹھکانوں پر پہنچانے کا بندوبست موجود ہے۔ پولیس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں' پولیس ہماری مونچھ کا بال بھی بیڑھا نہیں کر سکتی کیونکہ ہم نے بڑے بڑے لوگوں کو ٹیڑھا کر رکھا ہے!

## کوٹھی خالی ہے

اس کوٹھی میں جو بھی آیا اس کا جنازہ ہی نکلا! وہ ماڈرن نوجوان جن کے والد گرامی اپنی دولت پر سانپ کی طرح بیٹھے ہوں' ان کے لئے سنہری موقعہ ہے۔

## پنکھے

آپ کو گرمی نہیں لگتی؟ عجب جانور ہیں آپ بھی! ابے خانہ خراب ہمارے پنکھے پڑے خراب ہو رہے ہیں' نقصان کا ذمہ دار تیرا باپ ہو گا؟

## ملازم

ایک ملازم کی ضرورت ہے! اگر وہ چور ہے تو بڑی خوشی ہو گی کیونکہ خاکسار تھانیدار ہے!

ریڈیو' ٹیلی وژن وغیرہ!

جیا مورا بہت گھبرائے
آنکھ میں آنسو بھر بھر لائے
کبھی تو موا ادھر بھی آئے!
بدھو ساجن تحفہ لائے!

Marfat.com
Marfat.com

## سائیکل

آپ کے باپ دادا کو تو سائیکل بھی نصیب نہ ہوئی! آپ نے کیا تیر مارا ہے کہ دن رات کاروں کے خواب دیکھا کرتے ہیں؟

## مشروبات

بھائیو! آپ دوسروں کی خوشی سے ہر وقت شعلۂ جوالہ کی طرح جلتے رہتے ہیں! ہمارے مشروبات حسد، بغض، اور عناد کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ آتش عشق بجھانے کے لئے معذرت کی جاتی ہے کہ اس کے لئے مشروب کی نہیں بلکہ نکاح خواں کی ضرورت ہوتی ہے!

## سگریٹ

ہمارے سگرٹوں نے بڑے بڑے کارنامے میں آگ لگائی ہے۔ کسی کا گھر جلا کر آگ تاپنے کے لئے بہترین چیز ہے!

## تعلیم

سال میں فقط دو دن پڑھائی کیونکہ زندگی تو چار دن کی ہوتی ہے! بچوں کو نہ ڈنڈے مارے جاتے ہیں نہ تھپڑ! فقط گالیاں دی جاتی ہیں یا جرمانہ کیا جاتا ہے!

## بیمے کا اشتہار!

اے نامعقول کنگلے شادی شدہ ہے؟

اے گدھے تو بچوں کا بھی کبھی خیال کیا؟ جن کی تعداد چوتھائی ملک کی آبادی کے برابر ہے؟

اس بات کو چھوڑ کہ ہماری جیب میں کیا جاتا ہے تھوڑی دیر کو سوچ کہ تو کتنے کی

Marfat.com
Marfat.com

موت مارا گیا تو کیا ہوگا؟

## موٹر سائیکل' سکوٹر

موت کا ایک دن معین ہے
طبیعت کیوں ادھر نہیں آتی؟

## شراب

کیا آپ مغموم ہیں؟
پریشان ہیں؟ جوے میں ہار گئے ہیں؟
بیوی سے لڑائی ہوئی ہے؟ یا عاشقی میں جوتے پڑ گئے ہیں؟
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی؟
محرومیاں جب ستائیں!
ارمان جب نشتر بن جائیں!
شراب پیجئے بے حساب پیجئے۔
جیب خالی' آنکھ میں لالی
پی لے شراب او موالی!
پی لے شراب لالہ رنگ آب حیات ہے
تو دن سمجھتا ہے جسے ظالم وہ رات ہے!

**مشتہرین کا نوٹ:** ہماری شراب بھی شرفاء استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ شراب انگور سے بنائی گئی ہے اور انگور حرام نہیں ہوتا! اردو اور فارسی کے تمام شعراء نے شراب کے جو گن گائے ہیں ان کو اگر ہم تحریر کر دیں تو خطرہ ہے کہ آپ چوبیس گھنٹے پینے لگیں گے۔ یہ ہے ہماری صاف گوئی!

Marfat.com
Marfat.com

پی کر شراب آئے ہیں اپنے ہی یار سے
مجھ کو گلے لگا کہ میں آیا ہوں بار سے!

## کتابیں

ہمارے ہاں ہر مقدس کتاب سے لیکر ہر فحش اور نجس کتاب ملتی ہے۔ بزنس از بزنس!

جیب آپ کی نفع ہمارا
ناشرین: مکتبہ صیادِ طیورادب
شیخ نوسر باز اینڈ سنز! (آٹھوں گانٹھ کمیت)

## گھڑیاں

بھائیو اگر وقت سے غافل ہی رہنا ہے تو اس میں گھڑیوں کا کیا قصور؟

## کپڑا

کوئی عاشق مائی کا لال اس کپڑے سے بنا ہوا گریبان پھاڑ کے دکھائے؟ پانچ ہزار روپے انعام! شاعر حضرات اس مقابلے میں شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ خانہ خراب ہر قسم کے گریبان کو تار تار کر دیتے ہیں۔

## انتخابات

یہ بات سچ ہے کہ ہم ہیں فرشتے!
آسمان سے اترے ہیں!
اور انتخاب میں اٹکے ہیں!
مولا نے ہم کو آپ کی خدمت کے لئے بھیجا ہے!
خدمت کا درد بڑا شدید ہوتا ہے! درد زہ سے بھی زیادہ شدید!
ہمارے امیدوار اس درد سے مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے ہیں اور اس درد

Marfat.com
Marfat.com

کا علاج ہے آپ کا ووٹ!

ہم ملک میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہا دیں گے!

کھیتوں کو پانی کی جگہ دودھ دیا جائے گا!

خدا رسول کا واسطہ ہے ہمیں کروڑوں روپے قرض لیکر اسے معاف کروانے کا سنہری موقعہ عطا کریں!

نوٹ: یاد رکھئے مہنگائی سے' بے روزگاری سے' بھوک اور بیماری سے خدا یاد آتا ہے' کون کافر ہے جو آپ کو خدا کی یاد سے غافل کردے! ؎

تم کہاں جاؤ گے کچھ اپنا ٹھکانہ کر لو!
ہم تو کل نامِ محبت سے گریزاں ہوں گے!

❁ ❁ ❁

Marfat.com
Marfat.com

# تین چھٹانک ادب

اپنی کتاب کا مسودہ بغل میں دبائے جب میں ناشر کے ہاں پہنچا تو وہ میز پر انگلیاں نچا کر ایک مصرعہ گنگنا رہا تھا۔ ''مشکلیں یا خاک میں ہوں گی کہ ارزاں ہو گئیں'' حالانکہ وہ مجھے نہیں جانتا تھا لیکن اس کا تپاک قابل دید تھا! ''اخاہ! بھئی آپ تو عید کا چاند ہو گئے شیخ جی۔''

میں نے کہا ''جناب میں شیخ نہیں ہوں!''

وہ بولا ''اس سے ہمارے بزنس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے میں میری نظر سامنے دیوار پر پڑی جہاں یہ عبارت تحریر تھی ''ہم ادیبوں کا خانہ خراب کرتے ہیں!'' میں سکتے میں آ گیا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک شخص ہاتھ میں بھاری تھیلا لئے دکان میں داخل ہوا ناشر اس کو دیکھ کر خوشی سے پکارا ''واہ جناب نخشب الوری!'' آنے والا کہنے لگا ''میں نخشب نہیں نادان گورکھپوری ہوں!''

''اس سے ہمارے بزنس میں کوئی فرق نہیں پڑتا'' ناشر بولا ''فرمایئے کیا ارشاد ہے؟''

Marfat.com
Marfat.com

''غزلیں لایا ہوں!''

''کتنی ہیں؟''

''یہی کوئی ڈھائی سیر کے قریب'' شاعر نے مسودہ نکالا اور ناشر کے سامنے ڈھیر کر دیا! اور پھر انداز تفاخر سے میری طرف دیکھ کر بولا'' جدید شاعری کا بھاڑ نہیں جھونکتا' روایت قدیم پر جان دیتا ہوں! ذرا سنیئے گا!''

''ارشاد'' ناشر نے کہا اور شاعر نے مطلع پڑھا۔

قتل کر کے مجھے مری لاش کے ٹکڑے کر کے
کمر لچکا کے کہتے ہیں بہت خونخوار ہوں میں!

''آپ کا معشوق یقیناً بھیڑیا ہے' یا اس کی بیوی'' ناشر نے کہا'' کیونکہ اردو شاعری میں نر یا مادہ کا اتا پتا نہیں ملتا!''

''اچھا تو پھر غزل ہی بدل دیتے ہیں'' نادان گورکھ پوری نے کہا یہ مطلع کیسے رہے گا۔

لاش پر میری چھڑک کر تیل مٹی کا
لگا کر آگ، یہ جا، وہ جا!

''یہ جا' وہ جا' خوب' بالکل جیب کترے کی طرح!'' ناشر نے آنکھ مار کے کہا ''ذرا نقادوں سے نبردار رہیے گا!''

''ایسی کیا بات ہے؟'' شاعر نے کہا۔

''اس شعر میں آپ تو مر گئے' اور ہماری جان چھوٹی'' ناشر کہنے لگا'' لیکن نقاد اور گورکن دونوں پوچھیں گے کہ یہ شعر مرنے کے بعد کیسے کہا گیا؟''

''فکر مت کیجئے'' ایک شخص نے اندر آتے ہوئے کہا'' میری تنقید سے آپ کے کلام کو چار چاند لگ جائیں گے۔

Marfat.com
Marfat.com

''جی واہ'' ناشر نے کہا ''یہ ہیں جناب قزاق ابو نقاد ابن ناقد ازطن تنقید!''

اس شخص نے مسودہ ناشر کو تھمایا اور کہا ''پورے چار روپیہ کا مسودہ ہے۔ عنوان ہے ''ادب میں گوا'' آپ کے جدید سے ''ادب مہمل'' سے کچھ کم نہیں ہے!'' ناشر نے مسودے کو تھاما اور اسے محفوظ کر لیا! ایسے میں اس کی نظر باہر کی طرف پڑی تو اس نے شور مچا دیا ''آ گیا آ گیا!''

''کیا آ گیا؟'' نقاد نے ماتھے پر شکنیں ڈال کر پوچھا۔

''معذور خراباتی آ گیا'' ناشر بولا ''اب پچھلی ہی کسی ناول کے لئے سارے تین روپے لے گیا تھا' آج مہینے میں پہلی بار صورت دکھائی دی ہے۔ اتنے عرصے میں تو انسان پندرہ ناول لکھ لیتا ہے!''

''حضرات آداب عرض'' معذور خراباتی نے کہا ''علامت نگاری میرا فن ہے۔ اصلی نام ماجھا چنگڑ ہے!''

''یہ دنیا کا ہر فن جانتے ہیں'' ناشر نے خوشامد سے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا ''اور علامت نگاری ان میں سے ایک ہے!''

''ذرا سنائیے تو کیا لکھ لائے ہیں۔ آپ مصروفیت کے باوجود دیباچہ مجھے ہی لکھنا پڑے گا۔''

نقاد نے معذور خراباتی کی طرف دیکھ کر کہا اور اس نے مسودہ پڑھنا شروع کیا! ''حضرات یہ ناول کا پہلا باب ہے' تین ہزار آٹھ سو اٹھارہ صفحات کا۔ ناول کا عنوان ہے ''غباروں کا کھیل''

''زندگی کی بے ثباتی کے راز کی طرف بے مثال اشارہ ہے'' نقاد نے کہا۔

''شراروں کا کھیل بھی تو ہو سکتا ہے؟'' شاعر نے کہا۔

Marfat.com
Marfat.com

''اور چناروں کا بھی!'' ناشر بولا۔

''کیوں نہ اسے ستاروں کا کھیل لکھا جائے؟'' نقاد نے تجویز دی۔

''ماہ پاروں' آبشاروں' نظاروں' بہاروں وغیرہ کا کھیل بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے حضرات!'' خراباتی نے کہا'' چلئے عنوان بدل دیتے ہیں' زندگی کو اگر کھیل ہی لکھنا ہے تو پھر گلی ڈنڈا بہتر رہے گا!''

''اس سے ہمارے بزنس میں کوئی فرق نہیں پڑتا!'' ناشر کہنے لگا'' آپ کچھ صفحات پڑھ کے سنائیں''

''سناتا ہوں!'' خراباتی کہنے لگا'' علامت سمجھ میں نہ آئے تو بکواس مت کیجئے گا' آخر میں سمجھا دوں گا۔''

''ارشاد'' ناشر نے التجا کی اور خراباتی نے مسودہ پڑھنا شروع کیا۔

''......ایک ناریل!'' سب یک زبان ہو کر پکارے''ایک ناریل!''

''ازراہِ کرام آپ لوگ خاموش رہیں'' خراباتی نے تنبیہہ کی''...... ایک ناریل پر دو سنگھاڑے' ان کے نیچے بینگن' بینگن تلے ٹماٹر' ٹماٹر کے نیچے کدو' پھر ایک تربوز' نیچے دو گنے' دائیں بائیں ایک ایک گنا......''

''واہ' واہ'' نقاد پھڑک کر بولا'' کیا بات پیدا کی ہے! اب ذرا اس کا مطلب بھی سمجھایئے!''

''مطلب بالکل واضح ہے!'' خراباتی نے کہا''اس کا مطلب ہے ایک انسان! سر کو ناریل' آنکھوں کو سنگھاڑے' ٹماٹر کو ہونٹ' تربوز کو پیٹ' اور ہاتھ پیروں کو گنا کہا گیا ہے!''

''ٹھیک ٹھیک'' نقاد نے کہا''لیکن آپ نے جزئیات نگاری سے گریز کیوں فرمایا ہے؟''

Marfat.com
Marfat.com

''اس لئے کہ اس میں خطرہ بھی نہیں ہونے کا!''

اب ایک خاتون دکان میں داخل ہوئیں اور ناشر کی ناک پکڑ کر اس کی ہلکی سی چپت لگا کر بولیں ''کہاں ہے میرا انیسواں مجموعہ کلام؟''

ناشر نے اپنی ناک چھڑائی اور ہماری طرف دیکھ کر بولا ''یہ ہیں محترمہ دھوپ صحرائی' اپنے شعر خود ہی کہتی ہیں' اور ان کے ''ویسے'' شعر تو مال سے ہوتے ہیں!''

''ویسے سے کیا مراد ہے؟'' آپ کی نقاد نے پوچھا۔

''وہی'' ناشر بولا ''جس کے سننے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے خدا معاف کرے! انہوں نے شاعری پر اور شاعری نے ان پر بے شمار احسانات کیے ہیں! لوگ انہیں کوئل' بلبل' مینا' اور قمری کہہ کر پکارتے ہیں اور مشاعروں میں دانہ و دام ساتھ لاتے ہیں۔ ان کے مشاعروں میں رش کا وہ عالم ہوتا ہے کہ اسے جیب کتروں کی جنت کہا جا سکتا ہے!

اب ان کا کلام ملاحظہ ہو!

یہ سن کر محترمہ دھوپ صحرائی نے کہا

پانی نہ مل سکا میں نے زخم دھو لئے
صحرا میں پاؤں سے ذرا کانٹا نکال لئے!

ناشر نے پھڑک کر داد دی ''واہ! شعلہ سا لپک جائے ہے' پرواز تو دیکھو!''

''ایک اور شعر سنیے دوسری غزل کا''

گجرا نہ مل سکے تو بیچ سے کام لے
دلیا نہ پھینک' سارے درختوں سے آم لے

''بہت خوب' بہت خوب کیا بات پیدا کی ہے'' نقاد نے کہا۔

''اب ذرا اس کا مطلب بھی سمجھائیے''

''یہ علامتی شاعری ہے' دوسرے الفاظ میں ملامتی شاعری'' محترمہ دھوپ

Marfat.com
Marfat.com

صحرائی نے کہا ''اور اس کا مطلب سمجھانا سخت گناہ کی بات ہے! امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے!''

''ہاں'' نقاد نے کہا ''سمجھ گیا' اک فرصت گناہ ملی وہ بھی تین دن!''

اب ایک اور خاتون تشریف لائیں ناشر نے تعارف کرایا ''یہ ہیں محترمہ شاہین صاحبہ!''

''شاہین تو میرے شوہر کا نام ہے!'' اس خاتون نے کہا ''مجھے فاختہ کہتے ہیں'' ناشر نے ٹھیک طور سے سنا نہیں' وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ کر بولا ''کیا کہا فاختہ؟... واہ کیا نام ہے؟''

نادان گورکھ پوری نے ناشر کی اصلاح کی ''فاختہ' فاختہ! شاہین کی مادہ کو کہتے ہیں!''

''اس سے ہمارے بزنس میں کوئی فرق نہیں پڑتا'' ناشر کہنے لگا ''آپ کا مسودہ کہاں ہے؟'' یہ سن کر فاختہ نے کہا ''باہر میرے شوہر ایک صندوق سر پر رکھ کر کھڑے ہیں جا کر اتروا لیجئے!'' یہ سنتے ہی ناشر اور نقاد باہر کی طرف دوڑے' اور دیکھا کہ شاہین صاحب صندوق کے ساتھ سڑک پر اوندھے پڑے ہیں۔

''آپ نے یہ افسانہ تو دیکھا ہی نہیں!'' محترمہ فاختہ نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ایک مسودہ نقاد کے ہاتھ میں تھما دیا۔ نقاد نے پڑھنا شروع کیا۔

''ہرن سالا قیمہ کما کر لیٹا تھا کہ نرس نے کہا ایک بٹہ دو' آگ اور پانی' دنیا فانی!''

''واہ!'' ناشر بولا ''اچھا ادب وہی ہے جسے کوئی نہ سمجھ سکے۔ جبھی تو ہدایت کی گئی ہے کہ ؎ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی! بتایئے یہاں کون کافر سمجھ سکتا ہے کہ کہنے والے مُدّات نے کیا جھک ماری ہے؟''

Marfat.com
Marfat.com

''میں کیا چیز ہوں'' محترمہ فاختہ نے کہا ''مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا!''

''آپ کی بات درست سہی'' ناشر نے کہا ''لیکن اسے مانتا کون ہے؟''

نقاد بولا ''جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے تو ان کی تحریر سے لقمۂ اجل صباحت کا کارخانہ، گھنگور گھٹائیں، کاکل دوست، سیاہی کی بوتل، افکار کی ستم ظریفی اور خاندانی منصوبہ بندی کی خوبیاں موجود ہیں!''

''شکریہ'' محترمہ فاختہ نے کہا ''اجازت دیجئے، مسودے کا دوسرا صندوق ابھی گھر پر ہی ہے!''

کچھ دیر خاموشی طاری رہی، پھر ناشر نے دوربین اٹھائی اور باہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''جناب وحشی، ماضی پرست تشریف لا رہے ہیں، اس خانہ خراب کو کچا گوشت کھلانا پڑے گا۔''

وحشی ماضی پرست تشریف لائے تو سب نے دیکھا کہ وہ ریچھ کی کھال پہنے ہوئے ہیں، اور انہوں نے پتھر کے زمانے کی کلہاڑی کندھے پر اٹھا رکھی ہے! انہوں نے آتے ہی تقاضا کیا ''کیا میرا ناول چھپ گیا ہے؟''

''جی ہاں'' ناشر نے کہا۔

''اسے کسی نے سمجھا تو نہیں؟'' وحشی نے دھمکی سے پوچھا۔

''یہ کس کی مجال ہے جناب؟'' ناشر ہنس کر بولا ''جو بھی اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اس کی نکسیر پھوٹ جاتی ہے اور سادہ خمیرہ گاؤزبان عنبری جواہر والا، اور جوارش انارین، پھر معجون صرصر خراسانی وغیرہ کھانی پڑتی ہے! آپ کے ناول سے حکیموں کا کاروبار چمک اٹھا ہے۔''

''بہت خوب! لیکن یہ حکیم کون ہوتا ہے؟ اور دوا کس کو کہتے ہیں؟ ہمارے زمانے میں تو یہ چیزیں ہی نہیں تھیں! اب منگوائیے کچا گوشت!'' وحشی نے کہا۔

Marfat.com
Marfat.com

''حضرات'' ناشر نے حاضرین کو متوجہ کیا'' ان صاحب کے ساتھ حادثہ یہ ہوا کہ ان کی نانی مرگئی' جن کو ان سے بے حد محبت تھی یہ چاہتے تھے کہ ان کی نانی کبھی نہ مرے...... چنانچہ زمانہ حال سے جو ان کی نانی کی موت کا ذمہ دار تھا ان کو نفرت ہوگئی! اور مستقبل سے خدا واسطے کا بیر ٹھہرا انہوں نے ان دونو زمانوں پر لعنت بھیجی جسے حال اور مستقبل نے بصد مسرت قبول کیا۔

اس کے بعد وہ انگریزوں کے زمانے میں خانساماں ہو گئے' پھر اکبر کے زمانے میں چوبدار ہوئے' فارسی کا علم نہ ہونے کی وجہ سے نکالے گئے' تو محمد بن قاسم کی فوج میں بھرتی ہوئے' بزدلی کے باعث بھاگے' اور آخر پتھر کے زمانے میں جا کر پناہ لی! اور چین سے زندگی بسر کرنے لگے! بہر حال انہوں نے ادب کا پیچھا نہیں چھوڑا۔''

وحشی ماضی پرست کچا گوشت کھا کر دفان ہوئے تو ایک مزدور سر پر مسودے کی گٹھڑی اٹھائے دکان میں داخل ہوا اور اس گٹھڑی کو زمین پر دے مارا! اس کے بعد وہ حضرات تشریف لائے اور یک زبان ہو کر بولے'' ہم بھی ادب کے محسن ہیں!'' ان میں سے ایک نے فرنچ کٹ داڑھی رکھی ہوئی تھی اور اس کے کان پر پنسل تھی' دوسرا بالکل گنجا تھا اور اس کا سر تیل کی چمک سے آفتاب ہو رہا تھا!

ان کو دیکھ کر ناشر نے ان کا تعارف کرایا'' حضرات یہ ہیں ملک کے مایہ ناز ادیب جناب نوسر باز خاں اور جناب ٹھگ گلا گھوٹو ی دست شناسی اور علم نجوم پر کتابیں لکھنے والے!''

''ان کو ادیب کس نے بنایا ہے؟'' نقاد نے سوال کیا۔

''خدا نے'' ناشر نے انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر کہا'' اس ہستی کے کاموں میں کس کو دخل ہے؟''

یہ تماشا دیکھ کر میں وہاں سے اٹھ آیا۔ پندرہ سال کی محنت سے تیار کیا ہوا

Marfat.com
Marfat.com

مسودہ تولنے کے لئے دیا تو وہ فقط تین چھٹانک نکلا! میں بہت شرمندہ ہوا اور گھر کو چلا آیا!

Marfat.com
Marfat.com

''اب کس کی باری ہے؟'' یہ سن کر بندر درخت سے کودا اور انگور کھاتے ہوئے بولا ''حضور اب مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ جو جی میں آئے سو کہہ لیجئے مگر خدا کے لیے یہ غلط فہمی دور کر دیجئے کہ انسان ہماری نسل سے ہے۔''

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''ہم لوگ اسلحہ آتشیں کا استعمال نہیں جانتے' ہمارا معاشرہ جرائم سے پاک ہے' بندر کبھی پاگل نہیں ہوتے' ہم لوگوں میں نہ سرمایہ کاری کا کھٹراگ ہے اور نہ اشتراکیت کا جھنجٹ' بندروں میں مکمل مساوات موجود ہے ان میں کوئی آقا ہے نہ غلام' نہ بھکاری نہ غریب نہ امیر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم خوش رہنا جانتے ہیں اور ایک دوسرے کو دکھی نہیں کرتے۔ انسانوں نے ہم سے دو ہی باتیں سیکھی ہیں ایک تو نقالی اور دوسری تجریدی مصوری' مجھے اعتراف ہے کہ ان امور میں انسان بندروں سے سبقت لے گیا ہے لیکن اس نے ہمارے فلسفہء حیات پر بالکل توجہ نہیں دی' خدا جانے کیوں؟''

''جانوروں کی کانفرنس'' سے اقتباس

خزینۂ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اردو بازار - لاہور ۷۳۱۴۱۶۹

Marfat.com
Marfat.com